ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

18

29 جمادی الاُولیٰ تا 6 جمادی الثانی 1432ھ/ 3 تا 9 مئی 2011ء

اس شمارے میں

ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

اللہ تعالیٰ سے اہل ایمان کا معاہدہ

دینی مسائل میں سہولت و آسانی

جماعت سازی کے لوازم

ایک کڑوا سچ

ایک عالم دین کی بذلہ سنجی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے

بھول نہ جانا میرے بچو!

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

وقت کی اہم ترین ضرورت

آج دینی جدوجہد کے ضمن میں ہماری سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ طریق انقلاب واضح ہو جائے۔ آج مسلمانوں میں جذبے کی کمی نہیں ہے۔ ہزاروں لوگ جانیں دے رہے ہیں۔ اپنے جسموں سے بم باندھ کر اپنے جسموں کو اڑا رہے ہیں۔ کشمیر کے اندر جو جذبہ ابھرا اسے پوری دنیا نے دیکھ لیا۔ کشمیریوں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ تو لڑنے والی قوم ہے ہی نہیں' اب اس کے اندر جان پیدا ہو چکی ہے۔ پاکستان سے جا کر کتنے لوگوں نے وہاں پر جامِ شہادت نوش کر لیا۔ لیکن اسلامی انقلاب کا طریق کار یہ نہیں ہے۔ اس سے کہیں کامیابی نہیں ہوگی۔ اس طریقے سے آپ صرف اپنا غصہ نکال سکتے ہیں۔ اسی طرح الیکشن سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا اور اسلامی انقلاب کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ آپ کا خلوص اپنی جگہ' لیکن یہ طریقہ غلط ہے۔ اسلامی انقلاب کے لئے طریق محمدیؐ کو اختیار کرنا ہوگا۔ قرآن تو کہتا ہے: ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (الانعام: 117) ''اگر تم زمین میں رہنے والوں کی اکثریت کی پیروی کرو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر کے چھوڑیں گے''۔ الیکشن تو صرف اکثریت اقلیت کا مسئلہ ہے۔ کیا آیت اللہ خمینی الیکشن کے ذریعے ایران میں برسرِ اقتدار آ سکتے تھے؟ ہرگز نہیں! خدا کے لئے اپنے آپ کو دھوکہ دینا چھوڑ دو۔ آج پوری امت عذابِ الٰہی سے صرف اس صورت میں نکل سکتی ہے کہ کم از کم کسی ایک ملک میں اللہ کے دین کو قائم کر کے پوری دنیا کو دعوت دے سکے کہ آؤ دیکھو یہ ہے اسلام! اس کی برکتیں دیکھو اس کی سعادتیں دیکھو یہاں کی مساوات اور یہاں کا بھائی چارہ دیکھو یہاں کی آزادی دیکھو یہاں کا امن وامان دیکھو!! اگر ہم یہ نہ کر سکے تو پھر اللہ کا عذاب سخت سے سخت تر ہوگا۔

رسولِ انقلاب کا طریقِ انقلاب

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سورۃ التوبہ

(آیات: 118-119)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

’’اور ان تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہوگئیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ (کے ہاتھ) سے خود اس کے سوا کوئی پناہ نہیں۔ پھر اللہ نے ان پر مہربانی کی، تاکہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کے ساتھ رہو۔‘‘

اللہ کی طرف سے اُن تین صحابہؓ کے بارے میں بھی اعلان ہوگیا جن کا معاملہ مؤخر کردیا گیا تھا۔ یہ تین انصاری صحابی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تین لوگوں پر بھی مہربانی فرمائی اور اُن کی توبہ قبول فرمائی۔ یہ اُس وقت ہوا جب زمین اپنی تمام تر کشادگی کے باوجود اُن کے لیے تنگ پڑ گئی‘ اور اُن پر اپنی جانیں بھاری ہوگئیں اور انہیں یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ سے بچ کر کوئی اور جائے پناہ نہیں، سوائے اُس کے کہ اس کی جناب میں آکر پناہ لی جائے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے چھوٹے بچے کو ماں مارتی ہے تو پھر بھی وہ ماں ہی کی طرف لپکتا ہے۔ اس لیے کہ اُسے معلوم ہے کہ ماں کے سوا اُسے کہیں سہارا نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر کوئی سختی بھی آئے تو آخر بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ پناہ تو بہرحال اللہ کی جناب میں ہی ملے گی۔ ؎

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی   مرے جرمِ خانہ خراب کو تیرے عفوِ بندہ نواز میں

اللہ نے ان تینوں صحابہ کرامؓ کی توبہ قبول فرمائی، تاکہ وہ بھی دوبارہ متوجہ ہوجائیں اور اپنی کمزوریاں رفع کرلیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

فرمایا، اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور دیکھو، صادقین کی جماعت کے ساتھ جڑے رہنا۔ یہ درحقیقت جماعتی زندگی کی اہمیت بتائی جارہی ہے۔ جماعتی زندگی کا فائدہ یہ ہوگا کہ چند ساتھی مل جُل کر کام کریں گے تو اگر کسی ایک ساتھی کا پاؤں پھسل گیا تو کوئی دوسرا اس کو سہارا دینے والا تو ہوگا۔ کسی کی ہمت جواب دے گئی ہو تو دوسرے اس کی ہمت بندھائیں گے۔ اجتماعی زندگی میں برکات ہی برکات ہیں۔ اس لیے اسے اختیار کرنے کی تعلیم دی جارہی ہے۔

فرمانِ نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

چغل خوری کی مذمت

عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((مِنْ شَرِّ النَّاسِ ذُو الْوَجْهَيْنِ الَّذِىْ يَأْتِىْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ))

(ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’تم میں سے بُرا وہ شخص ہے جو دو منہ رکھتا ہے۔ بعض لوگوں کے پاس ایک منہ لے کر آتا ہے اور بعض لوگوں کے پاس دوسرا منہ لے کر آتا ہے (یعنی چغل خوری کرتا ہے)۔‘‘

تشریح: فتنہ وفساد کی غرض سے ادھر کی بات اُدھر اور اُدھر کی بات ادھر نقل کردینا چغلی کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عام اخلاقی مرض سے بچنے کے لیے اپنے کلام پاک کے اندر ایک محکم اصول بیان فرمادیا ہے کہ بات بیان کرنے والے کو دیکھو کہ وہ مومن صادق ہے یا نہیں۔ اگر وہ فاسق ہے تو اس کی بات کا اعتبار نہ کرو اور بات کی بھی چھان بین کرلیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ سہل انگاری سے وہ بات آگے پھیلا دو اور تمہاری جلد بازی تمہارے لیے ندامت کا باعث ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات!

اُنیسویں صدی کے اواخر میں جب عالم اسلام بلاواسطہ یا بالواسطہ غیروں کے پنجۂ استبداد میں جکڑا ہوا تھا، روس پر زارِ روس کے نام سے بدترین آمریت مسلط تھی، البتہ یورپ میں ایک صدی پہلے اگر معاشی سطح پر صنعتی انقلاب برپا ہو چکا تھا تو سیاسی سطح پر سرمایہ دارانہ نظام کے سائے میں جمہوری طرزِ حکومت قائم ہو چکا تھا، ہماری رائے میں سرمایہ دارانہ نظام کو ایک ایسے طرزِ حکومت کی ضرورت تھی جس میں اکثریتی عوام کو صحیح یا غلط طور پر احساسِ شرکت ہو۔ اسی دور سے میڈیا ایک قوت کی حیثیت سے ابھرنا شروع ہوا جس نے عوام اور پارلیمنٹ میں موجود سرمایہ داروں کے نمائندوں میں ربط پیدا کر دیا۔ جس سے اس احساس کو مزید تقویت ملی کہ حکومتی طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ اگرچہ عوام نہ اس وقت جان سکے اور شاید نہ آج تک جان سکے ہیں کہ ظاہراً مادر پدر آزاد میڈیا ساری اچھل کود تو سرمائے کی گود میں کرتا ہے۔ بہرحال ہم نے بات کا آغاز کیا تھا اُنیسویں صدی کے اواخر سے جب امریکہ میں ایک ایسا حادثہ ہوا جس نے تقریباً ثلث صدی بعد دنیا کے ایک بڑے حصہ میں سرمایہ، جمہوریت اور میڈیا کو شدید لیکن عارضی چوٹ لگائی۔ ہماری مراد یکم مئی 1886ء کو شکاگو میں مزدوروں کو پیش آنے والے حادثہ سے ہے۔ اس روز مزدوروں نے ہڑتال کی، جلوس نکالا، اور بڑی سطح پر مظاہرہ کیا۔ 3 مئی کو یہ عمل دہرایا گیا تو پولیس کی فائرنگ سے 4 افراد ہلاک ہو گئے، جن کے سوگ میں 4 مئی کو پھر جلوس نکلا، جس پر پولیس نے شدید فائرنگ کی۔ کسی طرف سے ایک گرنیڈ بھی پھینکا گیا جس سے بہت سے افراد ہلاک اور زخمی ہو گئے۔ مزدوروں کے ہاتھوں میں سفید جھنڈے زمین پر گرے جن میں بہت سے مزدوروں کے خون سے سرخ نظر آنے لگے۔ اسی سرخ رنگ کو آنے والے انقلاب نے استعمال کیا اور آج تک مزدور اِس حقیقت کو جانے بغیر سرخ جھنڈے لہراتے رہتے ہیں۔ ایک جرمن فلسفی کارل مارکس نے اِس واقعہ سے بہت پہلے اپنی کتاب DasCapital کے ذریعے محنت کو اصل قوت قرار دیتے ہوئے محنت کش کی حکومت کا آئیڈیا دیا تھا، وہ خود اپنی زندگی میں کسی چھوٹے سے گاؤں میں بھی یہ نظام قائم نہ کر سکا، لیکن بہت سے پیروکار اُس کی زندگی میں اور بعد میں پیدا ہوئے جنہوں نے اس فلسفہ کو قبول کر لیا تھا۔ اُدھر یورپ اور امریکہ میں سرمایہ دارانہ جمہوریت بڑی مستحکم ہو چکی تھی اور غیر صنعتی یا پسماندہ دنیا بشمول عالم اسلام پر یورپ کا بلاواسطہ یا بالواسطہ تسلط قائم تھا۔ لہٰذا کارل مارکس کے فلسفہ کے تحت دنیا میں جو شور اُٹھا وہ یورپ اور امریکا کو تو خاص متاثر نہ کر سکا لیکن روس جہاں زارِ روس کے ظلم اور کرپشن نے عوام میں بےزاری اور بےچینی پیدا کی ہوئی تھی، وہاں لینن نے اسی فلسفہ کو بنیاد بنا کر 1917ء میں سیاسی فتح حاصل کر لی۔ شکاگو کے ہلاک شدگان مزدوروں کے خون کو اِس انقلاب کے لیے خوب استعمال کیا گیا اور مزدور محنت کش اور کسان کی حکومت کے نام پر ایک پارٹی کی آمریت مسلط کر دی گئی، جس نے جبر سے مخالفین کی آواز دبا دی۔ میڈیا کو بھی سرکاری پارٹی کے تحت کر دیا گیا، جس کا کام صرف حکومتی کارکردگی پر واہ واہ کرنا تھا۔ اور سوویت یونین کے گرد ایک آئرن کرٹن تان کر اِسے دنیا سے الگ تھلگ کر دیا، جس کا کم از کم ایک فائدہ ضرور ہوا کہ حکومت نے کم از کم ربع صدی بڑی یکسوئی اور محنت سے سائنس اور ٹیکنالوجی کو ترقی دے کر سوویت یونین کو ایک سپر قوت بنا دیا، خصوصاً عسکری اور دفاعی سطح پر وہ دوسری قوتوں سے پیچھے نہ رہا۔ اسی لیے دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر عالمی سطح پر ہونے والی بندر بانٹ میں اُسے وسیع حصہ ملا اور مشرقی یورپ میں سوویت یونین کے نظام اور اُس کی برتری کو قبول کر لیا گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام بلند بانگ دعوؤں اور پروپیگنڈے کے باوجود مزدور اور محنت کش کو خوشحالی کم اور نعرے اور پُرفریب وعدے زیادہ ملے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ بالشویک انقلاب کے نتیجہ میں بننے والی حکومتوں نے معاشی ترقی اور معاشی وسائل کی صحیح اور

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

29 جمادی الاولیٰ تا 6 جمادی الثانی 1432ھ — جلد 20
3 تا 9 مئی 2011ء — شمارہ 18

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
ایوب بیگ مرزا — محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد **طابع**: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

منصفانہ تقسیم کی بجائے عسکری اور اسلحی قوت میں اضافہ پر ساری توجہ مرکوز کردی۔ البتہ یورپ اور امریکہ کا صنعتکار اور سرمایہ دار حالات کے تیور پہچان چکا تھا۔ ذہین سرمایہ کار یہ سمجھ گیا تھا کہ سیاسی شعور اجاگر ہو جانے کے بعد معاشی استحصال صرف اِسی صورت قائم رکھا جاسکے گا جب خالی خولی نعرے نہیں انسانوں کو سوکھی روٹی کے ساتھ ساتھ کوئی شیرینی بھی دی جائے۔ چنانچہ یورپ اور امریکہ کے صنعتی ممالک میں سوشل سیکیورٹی سکیم، مزدوروں کے لیے مفت طبی امداد، اوور ٹائم، بنیادی تعلیم، اولڈ ایج بینیفٹ فنڈ اور بہت سی دوسری سکیموں کا اعلان کیا گیا۔ پھر اُن پر عمل درآمد ہوتا بھی دکھائی دیا۔ لیکن یورپ کا جن پسماندہ ممالک پر سیاسی اور عسکری تسلط تھا وہاں جاگیرداری نظام اور وڈیرہ ازم کے ذریعے Divide and rule کی پالیسی اپنا کر اپنا حکومتی سلسلہ کامیابی سے جاری وساری رکھا۔ پاکستان نے 1947ء میں سفید سامراج کے جبری استبداد سے آزادی حاصل کی تھی۔ لیکن افسوس وائے افسوس عوام تک آزادی کے ثمرات نہ پہنچ سکے، بلکہ بعض مایوس لوگ تو غلامی کے دنوں کو اچھے دن کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ یہ حال تو متوسط طبقے کا ہے۔ رہی بات مزدور اور محنت کش اور کسان کی تو جس شخص پر ہم مصورِ پاکستان ہونے کا ''الزام'' لگاتے ہیں، اگرچہ مزدور اور محنت کش دشمن پاکستان کے قیام سے پہلے ہی اللہ نے اُسے اِس فانی دنیا سے اُٹھالیا لیکن شاید اُس کی چھٹی حِس، اُس کی بے پناہ بصیرت، اُس کی دور بینی اور دور اندیشی آنے والے وقت کا دھندلا سا نقشہ اُس پر واضح کر رہی تھی کہ اُس نے اللہ کے حضور یہ درخواست دی ؎

تو قادر و عادل ہے، مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

آج پاکستان میں مزدور اور محنت کش طبقہ کے حالات دیکھ کر اِس شعر کی تلخی کس قدر کم دکھائی دیتی ہے۔ اللہ کی قدرت اور عدل کے حوالہ سے یہ درخواست کتنی کمزور اور کمتر نظر آتی ہے۔ ہم ڈر اور خوف محسوس کرتے ہیں کہ کسی ایسی گھڑی میں ہمارے قلم سے ایسے الفاظ نہ پھسل جائیں کہ وہ قبولیت کی گھڑی ہو، وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کا حکمران، صنعتکار، وڈیرہ اور سرمایہ دار (اِلا ماشاء اللہ) جو سلوک پاکستان کے مزدور اور محنت کش سے کر رہا ہے اُس پر اللہ رب العزت کی صفتِ جبار اور قہار کو صدا دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے جو مزدور چند آنے (ایک روپے سے کم) مزدوری لیتا تھا، وہ آج کے سات ہزار روپیہ تنخواہ لینے والے سے زیادہ مطمئن اور سکھی دکھائی دیتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا طبقات شب و روز پلاننگ کرتے رہتے ہیں کہ کتنے زندہ بچے ہیں، کتنوں کو گور بُرد کرنے کے لیے اگلی پالیسی بنائی جائے۔ فیملی پلاننگ کی دوسری سکیمیں جب ناکام ہوئی ہیں تو شاید اس حکمت عملی کو بطور پالیسی اپنایا گیا ہے کہ پہلے متوسط طبقہ کو غربت کی طرف دھکیلو، پھر اِن غریبوں کو زندہ یا مردہ قبروں میں اتار دو۔

1976ء میں ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں ایک لیبر پالیسی بنی تھی، پھر ہمیں لیبر پالیسی بنانے کی فرصت نہیں ملی۔ اگرچہ غیر اعلانیہ طور پر یہ طبقات ہر روز مزدور کُش پالیسی ترتیب دیتے رہتے ہیں لیکن یہ بالادست طبقات جان لیں کہ خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ ظلم ایک حد تک برداشت کیا جاسکتا ہے اور کیا جاتا ہے۔ خدارا اُس کے غفور و رحیم ہونے کو چیلنج مت کرو۔ زمینی حقائق یہ ہیں کہ بلی بھی اگر کارنر کردی جائے اور اُسے بھاگنے کی راہ نہ ملے تو یہ کمزور جانور بڑی سے بڑی قوت پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ اِس سے پہلے کہ آتش فشاں کا لاوا پھٹ جائے، اِس سے پہلے کہ بھوکے اور ننگے انسان پر دیوانگی طاری ہو جائے، اِس سے پہلے کہ تمہارا سرمایہ تمہارے وسائل تمہاری جان کے دشمن ثابت ہوں اور اِس سے پہلے کہ صحیح راہ اور صحیح راستہ دکھانے والی قوتیں جواب دے جائیں یا مایوس ہو کر دیوانگی کو اپنا راستہ بنانے والوں کی راہ میں حائل نہ رہیں، مزدور، محنت کش اور کسان کو سہارا دو، زندگی کا سہارا، تاکہ اُن میں مرنے کی بجائے جینے کی اُمنگ پیدا ہو۔ یہی تمہاری دنیا اور آخرت کے لیے بہتر ہے۔ ہم اپنی اس تحریر میں اسلام میں مزدوروں اور محنت کشوں کے حقوق اور نبی اکرم ﷺ کے غلاموں اور خادموں سے حسن سلوک کو بیان کرنا چاہتے تھے، لیکن جگہ کی کمی کی وجہ سے ممکن نہ رہا۔ ان شاء اللہ، اگلے شمارہ میں اس حوالہ سے اداریہ یا الگ مضمون تحریر کرکے اِس کی تشنگی کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ!

موقع کی مناسبت سے علامہ اقبال کا ایک اور شعر نذرِ قارئین ہے ؎

جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی
اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو!

پریس ریلیز: 25/ اپریل 2011ء

پاکستان کی سیاسی اور عسکری قیادت امریکہ کے حوالہ سے خوف اور پسپائی کی پالیسی کو ترک کرے

امریکہ اور یورپ وحشیانہ بمباری کے ذریعے قذافی کی فوج اور لیبیائی عوام کا قتل عام کر رہے ہیں

حافظ عاکف سعید

تنظیم اسلامی کی مرکزی شوریٰ کے دو روزہ اجلاس میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید اور اراکین شوریٰ نے ملکی و ملی حالات پر گفتگو کرتے ہوئے ڈرون حملوں پر سخت تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ اس سے بہت سی معصوم جانوں کا ضیاع ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں یہ حملے حکومت کی رٹ اور اقتدار پر ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن چکے ہیں۔ اجلاس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ پاکستان کی سیاسی اور عسکری قیادت امریکہ کے حوالہ سے خوف اور پسپائی کی پالیسی کو مکمل طور پر ترک کردے۔ اراکین شوریٰ نے پاکستان کے مختلف فضائی اڈوں کو امریکی افواج سے خالی کروانے کے حکومتی اقدام کو خوش آئند قرار دیا۔ تاہم اُنہوں نے روز افزوں مہنگائی کے تناظر میں حکومتی پالیسیوں کو شدید نکتہ چینی کی۔ اس بات پر اتفاق پایا گیا کہ ماضی کی طرح موجودہ سیاسی حکومت بھی عوام کو ریلیف دینے میں بُری طرح ناکام ہوئی ہے۔ اراکین شوریٰ نے عرب عوام میں بے چینی کی لہر کو اُن کا اندرونی مسئلہ قرار دیتے ہوئے امریکہ اور یورپی ممالک کی بیجا مداخلت کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ صرف عرب حکمران اور عوام یہ حق رکھتے ہیں کہ وہ اپنے اندرونی مسئلہ کو باہمی مشورہ اور اتفاق سے حل کریں۔ اراکین شوریٰ نے خاص طور پر لیبیا کا ذکر کیا جہاں امریکہ اور یورپ کی بمباری سے قذافی کی فوج کے ساتھ عوام کا قتل عام بھی ہو رہا ہے۔ اراکین شوریٰ میں اس بات پر مکمل اتفاق تھا کہ مسلمان ممالک دین سے دوری کی وجہ سے عالمی سطح پر ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں۔ پاکستان کے تمام مسائل کا حل دین و شریعت کے نفاذ یعنی نظام خلافت کے قیام میں مضمر ہے۔ اگر ملک میں قرآن وسنت پر مبنی یہ نظام نافذ کر دیا جائے تو ہم امریکی غلامی سے نجات پالیں گے اور دنیا و آخرت میں بھی سرخرو ہوں گے۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اہل ایمان کا معاہدہ

جس کی پابندی کا نتیجہ جنت ہے

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں
امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کے 22 اپریل 2011ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[آیات قرآنی کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

حضرات! میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید سے سورۃ التوبہ کی دو آیات تلاوت کیں اور ایک حدیث مبارکہ بیان کی ہے۔ بیان کردہ حدیث مسند احمد میں آئی ہے، اور یہ امانت اور ایفائے عہد کے متعلق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی نگاہ میں عہد کی پاسداری کا کیا مقام ہے۔ ہم بالعموم وعدوں کی پروا نہیں کرتے۔ ہمیں نہ تو بندوں سے کیے ہوئے عہد کی کوئی پروا ہوتی ہے اور نہ اللہ سے کیے ہوئے عہد کی کوئی فکر، بلکہ ہمیں اس بات کا کوئی شعور ہی نہیں کہ اللہ سے ہمارا کوئی عہد بھی ہو چکا ہے، جس میں ہم بندھے ہوئے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ فرما رہے ہیں: ((لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ)) ''اس شخص کا کوئی ایمان نہیں ہے جو امانت دار نہیں (یعنی خائن اور بددیانت ہے)''۔ امانت داری کے وصف کا گہرا تعلق ایمان کے ساتھ ہے۔ اگر دل میں اللہ پر اور آخرت پر ایمان ہوگا تو بندۂ مومن اس خیال سے کہ اگر میں خیانت کروں گا تو اللہ کے ہاں پکڑا جاؤں گا، اللہ کی عدالت میں مجھ سے باز پرس ہوگی، بددیانتی سے اجتناب کرے گا۔ اس حدیث کے دوسرے حصے میں آپؐ نے فرمایا: ((وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَ لَہٗ)) ''اس شخص کا کوئی دین نہیں جس میں عہد کی پاسداری کا وصف نہیں''۔ دین کا تقاضا صرف یہی نہیں ہے کہ نماز پڑھ لی جائے، کچھ تسبیحات کر لی جائیں اور بس! بلکہ دین اصل میں یہ ہے کہ اللہ اور اُس کے بندوں سے کیے ہوئے وعدوں کی پاسداری ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہاں دین اور عہد کو اکٹھا کر دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ دین نام ہی عہد کا ہے۔ عام طور پر ذہنوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ عہد صرف یہی ہے کہ آدمی کسی سے کسی کام کا وعدہ کر لے، کاروباری معاملے میں کسی سے کوئی معاہدہ کر لے۔ یقیناً بین الانسانی معاملات میں یہ بھی عہد ہے۔ لیکن دین فی نفسہٖ ایک عہد ہے اور یہ عہد عہد بندگی ہے، جو ہمارے جسمانی وجود کی تخلیق سے بہت پہلے ہماری ارواح سے لیا گیا۔ تمام ارواح انسانیہ کو جمع کر کے اللہ نے اُن سے پوچھا: ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ﴾ ''کیا میں ہی تمہارا رب مالک نہیں ہوں؟'' ﴿قَالُوْا بَلٰی ج شَھِدْنَا ج﴾ ''سب نے کہا: کیوں نہیں۔ ہم اس پر گواہ ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے)'' تو ہی ہمارا مالک ہے، تو ہی رب ہے اور ہم تیرے ہی بندے اور غلام ہیں۔ اسے عہد الست کہا جاتا ہے۔ اللہ نے ہم سے یہ عہد کیوں لیا، آگے اس کا جواب بھی دے دیا کہ

﴿اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا ذُرِّیَّۃً مِّنْۢ بَعْدِھِمْ ج﴾ (الاعراف:172،173)

''یہ اقرار اس لیے کرایا تھا کہ قیامت کے دن (یوں نہ) کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔ یا یہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو ان کی اولاد تھے جو ان کے بعد (پیدا ہوئے)''۔

یہ عہد ہر شخص سے انفرادی حیثیت میں اور بقائمی ہوش و حواس لیا گیا تھا۔ اسی عہد الست اور عہد بندگی کا اعادہ ہم نماز کی ہر رکعت میں یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ:

﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝﴾ (الفاتحہ)

''ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں (اور آخری سانس تک کرتے رہیں گے) اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں (اور مانگیں گے)''۔

عجیب بات ہے کہ ہم زبانی تو نماز کی ہر رکعت میں اس عہد کا اعادہ کرتے ہیں، مگر ہمیں اس بات کا شعور نہیں ہوتا کہ ہم نے کیا معاہدہ کیا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کس عہد کو تازہ کیا ہے۔ ہم دنیا ہی کے اندر گم رہتے ہیں۔ یہاں کے مشاغل، یہاں کی مصروفیات ہمیں اپنے اندر جذب کیے رکھتی ہیں۔ حکیم الامت علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اُس میں ہے آفاق

کافر تو واقعی اللہ سے محجوب اور غافل ہے۔ افسوس کہ آج ایمان کے دعویدار بھی دنیاوی مصروفیات میں منہمک ہو کر اللہ اور آخرت کو بھول بیٹھے ہیں۔ یہ دنیا دھوکے کا سامان ہے۔ اِس میں بے حد کشش اور جاذبیت ہے جو انسان کی ساری توجہ اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ لہٰذا اس سے نکلنے کے لیے اللہ نے پانچ وقت نماز کا حکم دیا ہے، تاکہ انسان کو یاد رہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، عہد بندگی کا اعادہ نہ ہو۔ بہرحال دین نام ہی عہد کا ہے، اور اس شخص کا کوئی دین نہیں، جس میں عہد کی پاسداری کا وصف نہ ہو۔

اس عہد کے علاوہ مسلمانوں کے ساتھ اللہ کا ایک اور خصوصی عہد اور معاہدہ بھی ہے۔ جس کا ذکر سورۃ التوبہ کی آیت 111 میں آیا ہے مگر افسوس کہ ہم میں سے اکثر کو یہ معلوم ہی نہیں کہ اللہ کے ساتھ ہمارا یہ معاہدہ اور قول و قرار بھی ہو چکا ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ﴾

''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں (اور اس کے) عوض میں ان کے لئے بہشت (تیار کی) ہے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے جاتے بھی ہیں۔''

یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے ان کی جانیں اور اموال خرید چکا ہے۔ اس کے بدلے ان کے لیے جنت ہے۔ یہ سودا ہو چکا ہے۔ اس سودے کے مطابق اہل ایمان اپنی جان اور مال اللہ کی مرضی کے مطابق خرچ کریں گے۔ اللہ کی وفاداری، اللہ کے دین کی سربلندی میں کھپائیں گے، اور اس کے عوض اللہ تعالیٰ انہیں جنت عطا فرمائے گا۔ یہ اللہ کا مسلمانوں سے وعدہ ہے۔ ہم مسلمان جنت کے امیدوار تو ہیں مگر ہمیں یہ شعور نہیں کہ جنت حاصل کرنے کے لیے ہمیں اپنے حصے کا عہد پورا کرنا ہوگا۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو پھر کس بنیاد پر جنت کے امیدوار بنتے ہیں؟ معاہدہ تو دوطرفہ ہوتا ہے۔ اس میں دونوں فریقوں کو اپنے حصے کی پابندی کرنا ہوتی ہے۔ ہمیں یہ تو یاد رہ گیا کہ جنت ہمارے لیے ہے، لیکن یہ بھول گئے کہ ہمارا اللہ سے کیا معاہدہ ہے۔ یاد رہے کہ یہ جان اور مال ہمیں اللہ ہی نے عطا کیے ہیں۔ بلکہ ہمارا سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ ہمارا ہے ہی کچھ نہیں۔ ہمارا وجود بھی اس کی عطا ہے۔ ہمیں یہ جو مہلت عمر ملی ہے، یہ بھی اُسی کی دَین ہے۔ لیکن یہ اللہ کی قدردانی ہے کہ فرماتا ہے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال میں نے خرید لیے ہیں، یہ نہیں کہتا کہ یہ تو اُن کا تھا ہی نہیں۔ ان آیات کو پڑھتے ہوئے وہ بات ذہن میں آتی ہے کہ جیسے کبھی کوئی بزرگ کسی بچے کو ایک ٹافی دیتا ہے اور پھر دل لگی کے طور پر اُس سے واپس مانگتا ہے۔ یوں وہ بچے کا ری ایکشن دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ کیا کرے گا، مجھے دے گا یا نہیں۔ دی ہوئی تو میری ہی ہے، لیکن میرے مطالبے پر واپس کرے گا یا نہیں۔ بچہ تو ناسمجھ ہے۔ ہمیں تو اللہ نے شعور دیا۔ ہمیں تو اللہ کی دی گئی یہ جان و مال ضرور اللہ کی راہ میں اُس کے دین کی سربلندی میں لگانی چاہیے۔ اگر اللہ ویسے ہی ہماری جان و مال مانگ لیتا اور لے لیتا تو بھی یہ اُس کا حق تھا، لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا۔ اُس نے اِن چیزوں کو ہم سے خرید لیا ہے۔ اور پھر اِن کے ضمن میں اُس کا ہم سے صرف یہ مطالبہ ہے کہ انہیں میری مرضی کے مطابق اور میرے کلمے کی سربلندی میں کھپا دو۔ اور یہ بھی نہیں ہم ہر وقت اس مشن میں لگے رہیں، دنیا کا اور کوئی کام نہ کریں۔ نہیں، بلکہ اللہ نے اجازت دی ہے کہ جائز ضروریات کی تکمیل کے لیے کوشش کریں، ہاں جب دین کا تقاضا سامنے آئے تو پھر جان ہتھیلی پر رکھ کر نکل میدان جنگ میں آئیں، اور اس راہ میں کوئی شے آڑے نہ آئے۔ اللہ کی راہ میں جان و مال لگانے کا معاوضہ ہمیں جنت کی شکل میں ملے گا، ابدی اور اعلیٰ ترین نعمتیں حاصل ہوں گی، وہ نعمتیں ملیں گی جنہیں آج تک نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے اُن کے بارے میں سنا، اور نہ ہی کسی کے دل میں کبھی اُن کا خیال تک آسکا۔

یہ ہے وہ سودا اور وہ عہد جو ہر مسلمان کا اللہ سے ہو چکا ہے۔ یہ سودا صرف مجاہدین سے نہیں، صرف علماء سے نہیں، ہر ہر مسلمان سے ہے۔ جو شخص بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، وہ اس عہد میں جکڑا جا چکا ہے۔ جن لوگوں کو اس معاہدہ اور عہد و پیمان کا شعوری طور پر احساس ہوتا ہے، وہ اپنے عہد و پیماں کے مطابق کہ وقت پڑنے پر اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ اللہ کے دین کے دشمنوں کو مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں قتال سب سے اونچا تقاضا ہے جو یہاں اللہ نے بیان کر دیا، اور یہ بتا دیا کہ جان و مال اِسی راہ میں لگے گا۔ یہ نہیں ہے کہ مال تمہارا ہے، جہاں چاہو خرچ کرو، جیسے چاہو عیاشی کرو۔ چاہو تو اس مال سے نیٹ کیفے کھول کر نوجوانوں کا اخلاق تباہ و برباد کرو اور یہودی سازش کا حصہ بن جاؤ۔ تمہیں کھلی چھوٹ ہے۔ ہرگز نہیں، بلکہ جان اور مال اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال ہوں گے۔ یہ صلاحیتیں جو اللہ نے تمہیں دی ہیں، اور یہ جو مال اُس نے عطا کیا ہے، اور جو اوقات اُس نے دیئے ہیں، یہ سب تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے۔ تم ان کے مالک نہیں ہو، مالک رب ذوالجلال ہے۔ اصلاً بھی وہی مالک تھا، لیکن اب اس معاہدے کی رو سے تم نے اپنے آپ کو اُس کے حضور پیش کرنے کا پابند کر دیا۔ لہٰذا اللہ کی راہ میں جہاد و قتال اب بہرحال تمہاری ذمہ داری ہے۔

اِسی جہاد و قتال سے پورا مغرب کانپتا ہے۔ اِسی سے امریکہ خائف ہے۔ اُسے ڈر ہے کہ کہیں مسلمانوں کو یہ عہد یاد نہ آ جائے اور پھر وہ اللہ کے وفادار بن کر آخری درجے میں قتال کے لیے تیار ہو جائیں اور جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جہاد میں نکل آئیں۔ اسی کے لیے قرآن پاک کو جلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس سے دہشت گردی کی بو آتی ہے۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ الزام سراسر غلط ہے۔ یہ الزام بدترین تعصب اور اسلام سے بغض پر مبنی ہے۔ ورنہ تاریخی حقائق اس کے یکسر خلاف ہیں۔ اسلامی تاریخ اُٹھا کر دیکھیں، مسلمانوں نے کون سا قتل عام کیا؟ انہوں نے جن علاقوں کو بھی فتح کیا وہاں شہریوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ مسلمانوں کے برعکس جب کبھی صلیبی علاقے فتح کرتے تو مفتوحہ علاقے کے لوگوں کا تو بڑے پیمانے پر قتل عام کرتے تھے۔ یہی معاملہ چنگیز خان کا ہے۔ اُس نے بھی فتوحات اور جنگوں میں کروڑوں لوگوں کو قتل کیا۔ پھر ہمیں بتایا جائے کہ اصل دہشت گرد کون ہے؟ نوع انسانی کا قاتل کون ہے؟ مسلمان یا عیسائی؟ آج کے دور کا سب سے بڑا دہشت گرد امریکہ ہے جو نام نہاد دہشت گردی کے عنوان سے اسلام اور عالم اسلام کے خلاف برسرپیکار ہے۔ قرآن مجید دہشت گردی کی تعلیم نہیں دیتا۔ وہ تو دنیا کو امن کا گہوارا بنانا چاہتا ہے۔ اُس نے جہاد و قتال کی تعلیمات بھی اس لیے دی ہیں، تاکہ دنیا سے سرکش، باغی اور ظالم قوتوں کے اقتدار کا خاتمہ کر کے عدل و انصاف پر مبنی اسلامی نظام نافذ کیا جائے۔ تاریخ اسلام کے بالکل ابتدائی دور ہی کو دیکھیں تو اس الزام کا بے معنی ہونا آشکارا ہو جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے انقلابی جدوجہد کے ذریعے دین حق کو غالب کیا اور پورا نظام بنیاد سے بدل کر رکھ دیا۔ یہ اتنا بڑا انقلاب تھا کہ تاریخ انسانی میں اِس طرح کا انقلاب کبھی نہیں آیا۔ مگر اس سارے انقلابی عمل میں سات سو سے بھی کم مشرکین مارے گئے، اور محض ڈیڑھ دو سو کے قریب مسلمان شہید ہوئے۔ اس کے برعکس آج کے سب سے بڑے دہشت گرد امریکہ کا حال دیکھیں۔ اُس نے عراق پر حملہ کیا، تو وہاں لاکھوں افراد کا قتل عام کیا۔ افغانستان پر یلغار کر کے لاکھوں لوگ موت کے گھاٹ اتار دیئے۔ اسلامی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ مسلمانوں نے کسی علاقے پر حملہ کیا ہو تو وہاں شہریوں کا قتل عام کیا گیا ہو، اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسلام کا جہاد و قتال امن کے لیے ہے۔ پوری دنیا میں امن کا ضامن سوائے اسلام کے اور کوئی

نہیں۔ ان وحشیوں کو قوت حاصل ہوتی ہے تو یہ ہیروشیما اور ناگاساگی پر ایٹم بم برساتے ہیں اور لاکھوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ یہ حقائق ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ لیکن چونکہ آج ہم کمزور ہیں، لہٰذا سارے الزامات ہم ہی پر لگائے جا رہے ہیں۔ زبردست کا ٹھینگا بھی سر پر ہوتا ہے۔ ہماری کمزوری کی وجہ یہ ہے کہ آج اللہ کی مدد ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ کیونکہ ہم نے اللہ کے دین سے بے وفائی کی۔ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے غداری کر کے ہم نے یہود و نصاریٰ کو دوست بنایا، ان کی صف میں جا کر کھڑے ہوگئے، تاکہ احیائے اسلام کا جذبہ رکھنے والے سچے مسلمانوں کا قلع قمع کریں۔ اسلام کا جہاد و قتال تو صرف ان لوگوں کا قلع قمع کرتا ہے، جو دین کے غلبے کی راہ میں رکاوٹ بنیں۔ عام نوع انسانی کے لیے تو اسلام امن کا پیغامبر ہے۔ سورۃ الحدید میں ہے کہ اللہ نے لوہا اتارا ہے، جس میں بڑی قوت ہے۔ لوہے کی یہ قوت کس کے لیے ہے؟ یہ اُن لوگوں کی سرکوبی کے لیے ہے جو دین کے راستے میں رکاوٹ بنیں۔ یہ دھرتی اللہ کی ہے۔ اس پر قانون بھی اُسی کا چلنا چاہیے، مگر اس دھرتی پر کچھ شرپسند اور باغی ہیں جو اللہ کا نظام نافذ نہیں ہونے دینا چاہتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ شیطان کا نظام قائم اور جاری وساری ہو۔ اسلامی جہاد و قتال یہ تقاضا کرتا ہے کہ لوہے کی طاقت سے اُن کی سرکوبی کی جائے، تاکہ پوری نوع انسانی کو امن میسر آسکے۔

آگے فرمایا:

﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾

"یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اسے ضرور ہے۔ اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟"

یعنی اللہ نے جنت کا جو وعدہ کیا ہے یہ حق ہے۔ اس میں شک نہ کرو۔ اس یقین دہانی کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس لیے کہ جنت ادھار کا معاملہ ہے۔ مومن جو اللہ کے دین کے غلبے کے لیے سب کچھ اللہ کی راہ میں لگائیں گے، جان و مال کو اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال کریں گے اور وقت پڑنے پر اقامت دین کے لیے سب کچھ نچھاور کر دیں گے۔ اس کا اجر انہیں اس دنیا میں نہیں، آخرت میں ملے گا۔ اللہ نے یہ جو بیع کی ہے، یہ اُسی طرح کی بیع ہے، جیسے ہمارے ہاں بیع سلم ہوتی ہے، جس میں قیمت تو ادا کر دی جاتی ہے مگر خریدی گئی چیز بعد میں دی جاتی ہے۔ یہ گویا ادھار کا سودا ہے اور ادھار کے سودے پر دل آسانی سے ٹکتا نہیں۔ نقد کے لیے انسان فوری لپکتا ہے کہ یہ مل جائے، ادھار کا پتہ نہیں ہوتا کہ ملے گا یا نہیں۔ چنانچہ اللہ کی طرف سے یہ یقین دہانی کرائی جارہی ہے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے۔ اس میں شک نہیں کرو۔ یہ وعدہ تورات اور انجیل میں بھی مذکور ہوا ہے، اور پھر اس کو قرآن میں بھی مؤکد کر دیا گیا ہے۔ جان رکھو کہ اللہ کی ذات سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ لوگوں کے وعدے جھوٹے ثابت ہوسکتے ہیں۔ سچے بھی ہوں تو پوری نیک نیتی کے باوجود اُن کے پورا ہونے کے معاملے میں رکاوٹ پیدا ہوسکتی ہے، مگر اللہ کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں۔ لہٰذا یقین رکھو وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا، اور اس سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے جو اپنا وعدہ پورا کرسکے۔

آگے فرمایا:

﴿فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١١﴾﴾

"تو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے۔"

یہ الفاظ بہت اہم ہیں۔ فرمایا کہ یہ جو سودا تمہارا اللہ کے ساتھ ہوا ہے، اس پر اب خوشی مناؤ۔ یہ بہت نفع کا سودا ہے۔ اس سے زیادہ نفع کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ ظاہر ہے، تمہیں اپنی عارضی اور ناپائیدار زندگی کی جان و مال اور صلاحیتوں کو اللہ کی راہ میں لگانا ہے، انہیں اللہ کی مرضی کے مطابق اُس کے دین کے غلبہ کے لیے کھپانا ہے۔ اس کے بدلے میں اُس کی طرف سے تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتیں ملنے والی ہیں۔ یہ نعمتیں ایسی ہیں کہ دنیا کی نعمتوں سے اُن کی کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ انسان کی نفسیات یہ ہے کہ وہاں سرمایہ کاری کرتا ہے جہاں زیادہ نفع کی امید ہو لیکن دنیا کے نفع کا معاملہ یہ ہے کہ اس کا انسان نے ایک خواب دیکھا ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ خواب تعبیر نہ ہو پائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ خواب اس وقت پورا ہو، جب اُس کے قویٰ جواب دے گئے ہوں۔ آخرت کا معاملہ یہ ہے کہ اُس کا نفع بے انتہا بھی ہے اور یقینی بھی۔ اسی لیے قرآن حکیم میں فرمایا گیا کہ: ﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢١﴾﴾ (الحدید) "(بندو!) دوڑو اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کا سا ہے۔ (اور) جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔"

یعنی ایک دوسرے سے آگے نکلنا چاہتے ہو، ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو اس کا میدان دنیا کمانا نہیں بلکہ حصول جنت کے لیے کوشش ہے، تمہیں چاہیے کہ اللہ کی مغفرت کی طرف لپکو، اُس جنت کے حصول کے لیے دوڑو جس کی وسعت آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ تم بہت کوتاہ نظر ہو کہ پانچ مرلے کے پلاٹ کے لیے ہلکان ہوئے جاتے ہو۔ حالانکہ یہی وقت اور محنت تم اللہ کے لیے لگاؤ تو اس کے نتیجے میں تمہیں وہ وسیع جنت ملے گی، جس کی وسعت آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ اس جنت کے حصول کے لیے تمہیں اسلام کے غلبے کے لیے جان و مال لگانے کا وہ وعدہ پورا کرنا ہوگا، جو تم اللہ تعالیٰ سے کر چکے ہو۔

آخر میں فرمایا:

﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾﴾ (التوبہ)

"یہی بڑی کامیابی ہے۔"

اصل کامیابی تو اللہ کی رضا اور جنت کا ملنا ہے۔ اور یہی عظیم کامیابی ہے، یہی اصل کامیابی ہے۔ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی کامیابی بھی اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حصے کے وعدے کو پورا کرنے کی توفیق دے اور ہمیں فوز عظیم عطا فرمائے، جس کا اللہ نے اپنے نیک بندوں سے وعدہ کیا ہے۔

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

☆☆☆

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

دینی مسائل میں سہولت و آسانی

ضمیر اختر خان

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی صفات میں رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (سورۃ التوبہ:128) کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ نرمی ورأفت اور شفقت ورحمت سے پیش آتے ہیں۔ آپؐ کی نرمی کو اللہ نے اپنی رحمت خاصہ کا ثمرہ قرار دیا ہے۔ فرمایا: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ (سورۃ آل عمران:159) ’’(اے محمدؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہیں۔‘‘ مزید براں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ ’’اگر آپؐ اہل ایمان کے لیے تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔‘‘ (آل عمران:159) دین اسلام کا عمومی رویہ آسانی وسہولت والا ہے۔ پھر فرمایا: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ:185) ’’اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے اور سختی کرنا نہیں چاہتا۔‘‘ افرادِانسانی کے بارے میں فرمایا: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ﴾ (البقرۃ:286) ’’اللہ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا‘‘۔ اللہ نے نبی ﷺ کے مزاج میں بھی حددرجہ نرمی پیدا کر دی تھی۔ ظاہر ہے کہ دین اسلام کا عملی پیکر آپؐ ہی کی ذات گرامی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اصولی طور پر فرمایا: ((اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ)) (صحیح البخاری) ’’بے شک دین میں آسانی ہے اور کوئی دین میں سختی نہ کرے ورنہ دین اُس پر غالب (یعنی وہ مغلوب) ہو جائے گا۔‘‘ اس اصول پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کے لیے آپؐ نے صحابہ کرام ؓ کو حکم دیا: ((بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا)) (متفق علیہ) ’’خوشخبری دو، نفرت مت دلاؤ اور آسانیاں پیدا کرو، مشکلات میں مت ڈالو۔‘‘ اسلام کی ان تعلیمات کو پیش نظر رکھا جائے تو دینی معاملات میں بالعموم اور فقہی وفروعی مسائل میں بالخصوص توسع اور گنجائش پیدا کرنا دین اسلام کا مقصود ہے، تاکہ عملی طور پر تنگی نہ پیدا ہونے پائے۔ گزشتہ شریعتوں میں تحریف کا ایک بڑا سبب قرآن نے غلو فی الدین کو قرار دیا ہے۔

ان دینی حقائق کے تناظر میں اگر برعظیم پاک وہند کے علمائے کرام کے رویے کا جائزہ لیا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ہاں فقہی، فروعی ومسلکی معاملات میں تنگی پائی جاتی ہے۔ اس کا ایک سبب تو ان کے اندر تقلید کے حوالے سے شدت پر مبنی رویہ ہے، جس کے بارے میں علماء ہی کے حلقے سے تعلق رکھنے والے بعض انتہائی معتبر حضرات فکرمند رہے ہیں۔ اس تحریر میں ان علمائے کرام کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جنہوں نے اپنے ہم مسلک علماء کے طرزِعمل پر ناقدانہ انداز میں کلام کیا ہے۔ یہ امر خوش آیند ہے کہ دینی مسائل میں سہولت وآسانی کے حوالے سے جن جید علماء کی آراء پیش کی جائیں گی، وہ تمام مکاتب فکر کے نزدیک یکساں احترام واعتماد کی حامل شخصیات ہیں۔ ان کے مفصل تعارف کی ضرورت اس لیے نہیں ہے کہ یہ پورے برعظیم بلکہ عالم اسلام میں معروف ہیں۔

سب سے پہلے مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کی رائے پیش کی جاتی ہے، جس کا اظہار انہوں نے اپنے ایک مکتوب بنام مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمہ اللہ میں کیا ہے۔ مولانا نے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کے مکتوب نمبر 22 کے حوالے سے لکھا ہے کہ ’’بہتر اور زیادہ پسندیدہ بات یہ ہے کہ کہ فتویٰ اس پہلو کے مطابق دیا جائے جو آسان اور زیادہ سہل ہو، خواہ فتویٰ دینے والے مفتی کے مسلک کے مطابق یہ فتویٰ نہ ہو۔ کسی دوسرے مجتہد کے قول کے مطابق فتوے کا ہونا ایسی صورت میں کافی ہے۔‘‘ اس مکتوب پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں: ’’عام مولویوں کے لیے ظاہر ہے کہ فتوے میں اتنی مطلق العنانی ذرا مشکل ہی سے قابل برداشت، خصوصاً اس زمانہ میں ہوسکتی تھی جس زمانے میں مجدد رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے تھے کہ ندوۃ اس وقت تک ہندوستان میں قائم نہیں ہوا تھا۔‘‘ مجددؒ کے متذکرہ مکتوب کی ستائش مزید ان الفاظ میں کرتے ہیں: ’’یہ مکتوب گرامی اس قسم کے گراں مایہ تجدیدی زریں دانش آموزیوں سے معمور ہے۔ اس زمانے میں ہم عام مولوی لوگ معیاری اسلام کو ہاتھ میں لے کر غریب مسلمانوں کی زندگی کا جو جائزہ لیتے رہتے ہیں اور آئے دن ان کے مؤمن قلوب کو دُکھاتے رہتے ہیں، دل چاہتا تھا کہ حضرت مجددؒ کے مشوروں کو اس سلسلے میں ان کے آگے رکھتا۔ نیز معمولی عام کتابوں میں تلفیق کے نام سے مسلمانوں میں خوف ودہشت کی کیفیت پیدا کر دی گئی ہے، یعنی مجتہدین ائمہ ہدیٰ میں سے کسی ایک امام کے اجتہادی نتائج کے ساتھ ہم آہنگی کا فیصلہ تاریخ کے مختلف وجوہ واسباب کے تحت مختلف ممالک کے مسلمانوں کو کرنا پڑا تو سمجھایا جاتا ہے کہ آیندہ اپنے اپنے مانے ہوئے امام کے خلاف عمل کی اجازت ان کی آئندہ نسلوں کو نہیں دی جائے گی۔ ایسے آدمی کو فعل مذموم اور ’’عمل تلفیق‘‘ کا مرتکب ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ واقعہ کے لحاظ سے مسئلہ کی صحیح صورت حال چونکہ یہ نہیں ہے، ارادہ تھا کہ کافی بسط وتفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر بحث کی جائے، مگر بحث کے میدان ہی سے جو نکال دیا گیا، وہ کیا کرے۔‘‘ (صدق جدید، 22 جولائی 1956ء بحوالہ ماہنامہ ’’بیداری‘‘ حیدر آباد) مولانا گیلانیؒ کو جو بحث کے میدان ہی سے نکال دیا گیا، اس کا سبب بآسانی سمجھ میں آتا ہے۔ اللہ کرے علمائے کرام اس مسئلے کی طرف توجہ دیں، جس کی ضرورت کا مولانا گیلانیؒ نے بڑی شدت سے اظہار کیا ہے۔ اس سے جہاں بین المسالک رواداری کو فروغ ملے گا وہیں پر دین اسلام کی آفاقیت ووسعت کا مظاہرہ بھی ہوگا۔

موضوع زیر بحث کے حوالے سے دوسری نامور شخصیت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ آپ کی ساری زندگی تعلیم وتعلم اور تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ فقہ حنفی کے اعلیٰ پائے کے مفتی کی حیثیت سے خدمات انجام دینے میں گزری ہے۔ تقلید کے معاملے میں اپنا ٹھوس موقف رکھنے کے باوجود فروعی واجتہادی مسائل میں آپ کے نقطۂ نظر میں کتنی وسعت پائی جاتی ہے، آیئے اس پر نظر ڈالتے ہیں۔ آپ کے ساتھ کام کرنے والی ایک علمی شخصیت مولانا ڈاکٹر مفتی مظہر بقا

رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو قدیم وجدید علوم کی جامع شخصیت تھے۔ وہ اپنی کتاب ''حیات بقا'' میں 'فقہی مسائل میں میرا طرز عمل' کے عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک مرتبہ اپنی نجی مجلس میں حاضرین سے فرمایا تھا: کبھی کبھی رفع یدین بھی کرلیا کرو، کیونکہ اگر قیامت میں رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمالیا کہ تم تک میری یہ سنت صحیح طریقہ پر پہنچی تھی، تم نے اس پر کیوں عمل نہ کیا تو کوئی جواب نہ بن پڑے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر کوئی حدیث مجھ تک ضعیف طریقے سے بھی پہنچی تو میں نے کم از کم ایک بار ضرور اس پر عمل کیا۔'' سبحان اللہ! سنت رسول ﷺ سے والہانہ محبت کا اس سے بہتر ثبوت کوئی نہیں ہوسکتا۔ اللہ ہمیں اور بالخصوص علمائے کرام کو مفتی شفیع رحمہ اللہ جیسا طرز عمل اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اخیر میں خود ڈاکٹر مفتی مظہر بقا رحمہ اللہ کے معتدل موقف کو پڑھیے اور سر دھنیے۔ پہلے مفتی صاحب کے مقام ومرتبے کو جان لیجیے۔ آپ سندھ کی معروف بزرگ شخصیت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کے خلیفہ مجاز تھے۔ کراچی یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر رہے۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ کی ام القریٰ یونیورسٹی میں 25 سال تک وابستہ رہے۔ تصنیف وتالیف کے علاوہ سالکین راہِ حق کی تعلیم وتربیت کا فریضہ بھی سرانجام دیتے رہے۔ آپ نے اپنی تصانیف بالخصوص ''حیات بقا'' میں دینی مسائل کے معاملے میں جو معتدل رویہ بیان فرمایا ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔ ''میں حنفی ہوں اور جب تک ہندوپاک میں رہا، صرف حنفی مذہب پر عمل کرتا رہا۔ سعودی عربیہ آنے کے بعد جب مکہ مکرمہ میں جو مختلف مکاتب فکر کا سنگم ہے، اقامت کی سعادت حاصل ہوئی تو حنفیت میں جو شدت تھی، اس میں رفتہ رفتہ کمی آنی شروع ہوئی اور دوسرے فقہی مذاہب کے ساتھ متعصبانہ طرز فکر تقریباً ختم ہوگیا اور اس کے نتیجے میں متعدد تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ (مثلاً) رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین چونکہ صحیح اور قوی احادیث سے ثابت ہے، اس لیے کبھی کبھی رفع یدین کرلیتا ہوں۔ قیام میں کبھی کبھی شاذ ونادر سینے پر بھی ہاتھ باندھ لیتا ہوں۔ اگرچہ جہاں تک میرا علم ہے، اس سلسلے میں صحاح ستہ میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں اور دوسری کتب حدیث میں اس سلسلے کی جو روایات ہیں، وہ کلام سے مبرا نہیں۔ سفر میں صحیح احادیث سے جمع تقدیم بھی ثابت ہے اور جمع تاخیر بھی۔ دوسرے ائمہ کے برخلاف احناف اسے جمع حقیقی کے بجائے جمع صوری پر محمول کرتے ہیں۔ میں نے سفر میں بوقت ضرورت جمع تقدیم بھی کی ہے اور جمع تاخیر بھی۔ جمع تقدیم میں حنفیہ کے نزدیک چونکہ عصر اور عشا کی نمازیں درست ہی نہ ہوں گی۔ چنانچہ اس کے بعد بوقت ضرورت صرف جمع تاخیر کرنے لگا۔ احناف کے نزدیک میقات پر احرام باندھنا ضروری ہے۔ تفریح کی غرض سے بکثرت طائف جانا ہوتا تھا۔ دو سال تک تو میں واپسی پر عمرہ کا احرام باندھتا رہا لیکن بعد میں حنفیت چھوڑ کر ائمہ ثلاثہ کے مسلک پر عمل کرنے لگا کہ جب تک خاص طور پر عمرہ یا حج کی نیت نہ ہو، میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں۔'' (ماہنامہ ''الشریعہ''، گوجرانوالہ بابت اشاعت نومبر 2005ء) مولانا مفتی مظہر بقا رحمہ اللہ نے متعدد مختلف فیہ مسائل میں اسی طرح نرمی وآسانی والا موقف بیان کیا ہے اور اس کے باوجود ایک ایسا جملہ بھی لکھا ہے جو علمائے کرام کی توجہ کا بطور خاص مستحق ہے۔ ملاحظہ کیجیے اور مولانا کو داد دیجیے۔ ''یہ میں لکھ چکا ہوں کہ میری حنفی عصبیت بڑی حد تک ختم ہوچکی ہے، لیکن عدم تقلید کی حدود میں کبھی داخل نہیں ہوا۔'' یادش بخیر! ہم نے بھی بعض پائلٹ بھائیوں کے استفسار پر کہ جب وہ جدہ جاتے ہیں تو انہیں میقات کی حدود سے گزرنا ہوتا ہے، شریعت کا یہ حکم تاکیداً بتایا تھا کہ ایسی صورت میں آپ کو لازماً دم دینا ہے۔ معلوم نہیں وہ بیچارے ہمارے فتوے پر عمل کرتے ہوئے اب تک کتنے دم دے چکے ہوں گے، یا دین کے اس حکم کو مشکل سمجھ کر نظرانداز کرچکے ہوں گے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ جن تین جید علمائے کرام کی متوازن، آسان اور دین اسلام کی روح سے ہم آہنگ آراء سطور بالا میں پیش کی گئی ہیں ان کو درخور اعتناء سمجھا جائے اور قلب وذہن کی تسکین کا سامان کیا جائے، تاکہ بہت سے نفسیاتی، روحانی، اخلاقی اور جذباتی عوارض سے بچنے کا بہترین موقع میسر آئے۔ اللّٰھم ارنا الحق حقا ورزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا ورزقنا اجتنابه۔ أمين يا رب العلمين

رفقا متوجہ ہوں

ان شاء اللّٰہ العزیز

جامع مسجد الہدیٰ

پیپلز کالونی راولپنڈی میں

گلی نمبر A-24 نزد سروس اسٹیشن

ملتزم تربیتی کورس

15 تا 21 مئی 2011ء

(بروز اتوار نماز عصر تا بروز ہفتہ نماز ظہر)

اور

مدرسین ریفریشر کورس

20 تا 22 مئی 2011ء

(بروز جمعہ نماز عصر تا بروز اتوار ظہر)

کا انعقاد ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ رفقاءِ ان کورسز میں شامل ہوں

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت

برائے رابطہ: (042)36316638-36366638

0333-4311226

انقلاب نبویؐ کا مرحلہ اول: کردار سازی اور اُس کا نبوی طریق

جماعت سازی کے لوازم

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا فکر انگیز خطاب

انقلابی جماعت بنانے کے لیے پانچ لوازم ہیں، جن کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر ان کو پورا نہ کیا گیا تو پھر کوئی جماعت انقلابی جماعت نہ بن سکے گی۔ میرے نزدیک انقلابی جماعت کے یہ پانچ لوازم درج ذیل ہیں:

1۔ انقلابی جماعت کے کارکنوں اور قائدین کے فکر اور نظریات وخیالات میں کامل نظریاتی ہم آہنگی ہو۔

2۔ دل ودماغ میں انقلاب کے علاوہ کوئی اور آرزو نہ ہو، یہی آرزو ہو کہ غلط نظام کا خاتمہ ہوجائے

3۔ انقلاب کے لیے تن، من، دھن لگا دینے کے لیے آمادگی ہی نہ ہو بلکہ انتہائی ذوق وشوق ہو۔

4۔ نظم کی پابندی کے لیے انسان اپنی انا کو کچل دے، اور خود کو سمع وطاعت کا خوگر بنائے۔

5۔ انقلابی کارکنوں میں انتہائی مضبوط نظریاتی عصبیت یعنی جذباتی وابستگی ہو۔

یہ پانچ چیزیں انقلابی جماعت کے لوازم ہیں۔ اِن کے بغیر کوئی جماعت انقلابی جماعت نہیں بنے گی۔ اب آیئے، اس خاکے میں تھوڑا سا رنگ بھر دیں۔

<u>نظریاتی ہم آہنگی:</u>

اس کا مطلب توحید پر یقین کامل ہے۔ اس لیے کہ یہ اسلامی انقلاب کا اساسی نظریہ ہے۔ توحید محض ایک عقیدہ نہیں ہے بلکہ ایک انقلابی نظریہ ہے۔ اس کے تین پہلو ہیں۔

سیاسی میدان میں توحید کا مطلب اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا اعتراف واعلان ہے۔ اللہ کی زمین پر نہ کوئی انسان حاکم ہے اور نہ کوئی قوم حاکم ہے۔ حاکم فقط اللہ ہے۔ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ بقول اقبال ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی ، باقی بتانِ آزری!

نظریۂ توحید انسانی حاکمیت کی ہر شکل میں نفی کرتا ہے۔ انسانی حاکمیت نہ تو فردِ واحد کی بادشاہت کی شکل میں قابلِ قبول ہے، نہ کسی قوم کی دوسری قوم پر حاکمیت کی شکل میں' جیسے انگریز ہم پر حکمران ہو گیا تھا، اور نہ ہی عوام کی حاکمیت جائز ہے، جیسے کہ جمہوری نظام میں ہوتی ہے۔ حاکمیت (Sovereignty) کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور انسان کے لئے خلافت ہے۔ غیر اللہ کی حاکمیت کی تمام صورتیں شرک ہیں اور دورِ حاضر میں حاکمیت جمہور (Popular Sovereignty) کا تصور تو بدترین شرک ہے۔ شارع (قانون ساز) صرف اللہ تعالیٰ ہے اور رسول ﷺ اس کے نمائندے ہیں۔ غور کیجیے، کیا توحید سے بڑا بھی کوئی انقلابی نعرہ ہوگا؟

معاشی میدان میں توحید کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شے کا مالک حقیقی اللہ ہے۔ یہ انقلابی نعرہ مروجہ معاشی نظاموں کی جڑوں پر تیشے کی طرح گرتا ہے۔ کوئی شخص کسی شے کا مالک نہیں ہے' نہ انفرادی طور پر نہ قومی طور پر۔ اس طرح سرمایہ داری کی بھی نفی ہو گئی اور کمیونزم کی بھی۔ مالک صرف اللہ ہے: ﴿لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ﴾ ''اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے''۔ ہر شے کا مالک وہی ہے اور انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ امانت ہے ؎

ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست
در حقیقت مالکِ ہر شے خدا ست!

میں اپنے جسم کا بھی مالک نہیں ہوں' میرا یہ جسم بھی اللہ کی ملکیت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ہاتھ پاؤں' یہ آنکھیں' یہ دماغ سب کچھ میرے پاس اللہ کی امانت ہے۔ اُس نے مجھے کوئی گھر دے دیا ہے تو وہ بھی اس کی امانت ہے' اولاد دی ہے تو وہ بھی اُسی کی امانت ہے۔ چنانچہ ملکیت تامہ اسی کے لئے ہے۔ ہم مالک ومختار نہیں ہیں کہ جو چاہیں کرتے پھریں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ ''اے شعیبؑ! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے؟ اور یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟'' سرمایہ دار کا موقف یہ ہوتا ہے کہ یہ میرا مال ہے' میں اسے جیسے چاہوں تصرف میں لاؤں' خواہ اس سے سودی کاروبار کروں یا کسی کو سود پر قرضہ دوں۔ اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو سرمائے کا مالک سمجھتا ہے۔ اگر آپ اپنے آپ کو امین سمجھیں گے تو آپ کا نقطۂ نظر یکسر مختلف ہوگا۔ پھر آپ اپنا ہاتھ بھی وہیں استعمال کریں گے جہاں اللہ کی اجازت ہے۔ آپ اپنے پاؤں سے بھی اسی راستے پر چلنا چاہیں گے جس پر اللہ چاہتا ہے کہ آپ چلیں۔ آپ کا مال وہیں خرچ ہوگا جہاں اللہ چاہتا ہے کہ آپ خرچ کریں۔

سماجی سطح پر توحید کا تقاضا یہ ہے کہ پیدائشی طور پر تمام انسان برابر ہیں' کوئی اونچا نہیں' کوئی نیچا نہیں۔ اس ضمن میں ایچ جی ویلز کی گواہی بتائی جاچکی ہے کہ ''انسانی اخوت' مساوات اور حریت کے وعظ تو پہلے بھی بہت کہے گئے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں پہلی بار ان بنیادوں پر ایک معاشرہ قائم کیا ہے محمد (ﷺ) نے''۔ اسلامی معاشرے میں اگر کوئی اونچ نیچ ہے تو وہ ان کمالات کی بنیاد پر ہے جو آپ نے از خود حاصل کئے ہیں۔ آپ نے علم حاصل کیا تو آپ اونچے ہو گئے' آپ کی عزت کی جائے گی۔ آپ نے تقویٰ کی روش اختیار کی' روحانی مقام حاصل کیا' اب آپ کی عزت کی جائے گی۔ ﴿اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ﴾ ''اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے بڑھ کر متقی ہو''۔ پیدائشی طور پر تمام انسان برابر ہیں۔ شودر ہو یا برہمن' کالا ہو یا گورا' مرد ہو یا عورت' کوئی فرق نہیں۔ مرد اور عورت کے درمیان بھی فرق انتظامی اعتبار سے ہے۔ یہ اُسی طرح کا فرق ہے

جیسے کسی محکمے میں ایک انچارج اور ایک باہر کھڑے ہوئے قاصد میں ہوتا ہے۔ بحیثیت انسان اُن میں کوئی فرق نہیں۔ ہاں منصب اور اختیارات کے اعتبار سے سربراہ شعبہ کا منصب اونچا ہے' قاصد کا نیچا ہے، لیکن یہ محض انتظامی معاملہ ہے۔ پھر یہ کہ رنگ، نسل، علاقہ کی بنیاد پر لوگوں میں اونچ نیچ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اللہ نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ......﴾ (الحجرات:13)

''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔''

رنگ کی بنیاد پر امریکہ میں کالے کم تر قرار دیے گئے۔ لہٰذا انہیں سفید فام امریکیوں کے خلاف سول وار لڑنی پڑی۔ کیونکہ سفید فام امریکی کالے غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اسی طرح آج بھی ہندوستان میں ذات پات کے نظام کی لعنت موجود ہے۔ کچھ لوگ پیدائشی شودر ہیں، لہٰذا کم تر ہیں اور کچھ پیدائشی برہمن ہیں اور برتر حیثیت کے مالک سمجھے جاتے ہیں۔ حکومت نے ذات پات کے نظام کے خاتمے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا، مگر وہ نظام ختم نہ ہو سکا۔ حکومت اس تفریق کے خاتمے کے لیے دلتوں کے لیے اسمبلی میں نشستیں مختص کرتی ہے، تو بڑی ذات والے اُن کی بستیاں جلا دیتے ہیں۔ ہندوستان میں جس قدر ہندو مسلم فسادات ہوتے ہیں، اُس سے بڑھ کر فسادات ہندوؤں کے آپس میں ہوتے ہیں۔ نچلی ذات والوں کی پوری پوری بستیاں جلا دی جاتی ہیں۔ یہ ہے حال دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہندوستان کا۔

مقصود و مطلوب:

انقلابی جماعت کے لوازم میں سے دوسری چیز یہ ہے کہ واحد مقصود و مطلوب انقلاب ہو، لیکن یہ بات دنیا کے دوسرے انقلابات کی حد تک ہے۔ اسلامی انقلابی کارکنوں کا مقصود و مطلوب انقلاب نہیں، بلکہ اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح ہونی چاہیے۔ محض انقلاب ہمارا مطلوب و مقصود اور نصب العین نہیں ہے۔ اسلامی انقلاب کے لیے ہم اس لیے جدوجہد کرتے ہیں کہ یہ ہمارے دینی فرائض میں شامل ہے۔ ہمارا نصب العین یہ ہے کہ ہم سے اللہ راضی ہو جائے اور ہمیں آخرت کی فلاح حاصل ہو جائے، جہنم سے چھٹکارا مل جائے۔ دوسری کوئی غرض، کوئی دنیوی مفاد پیش نظر نہ ہو۔ اسلامی انقلابی پارٹی کے کارکنوں کو ہر دم اپنا جائزہ لینا ہوگا کہ آیا ہمارے دل میں کوئی اور بت خانہ تو آباد نہیں، کہیں لیڈری کا سودا تو نہیں، کہیں حکومت اور اقتدار کی خواہش تو نہیں، کہیں نمایاں ہونے کا جذبہ تو نہیں ہے، کہیں شہرت کے حصول کی تمنا تو نہیں ہے۔ سینے اور دل کا اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح کے علاوہ ہر آرزو سے پاک ہو جانا ضروری ہے، اگرچہ یہ کام آسان نہیں، نہایت مشکل ہے۔ یہ کام محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ آپؐ کے صحابہ ؓ کا کیا حال تھا، اس ضمن میں حضرت علی ؓ کی زندگی ہی سے ایک مثال کافی ہے۔ حضرت علی ؓ کی زندگی کا مشہور واقعہ ہے۔ ایک جنگ میں آپؓ کا ایک کافر سے مقابلہ ہوا ہے۔ آپؓ نے کافر کو زیر کر لیا اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے اور خنجر گھونپنے ہی والے تھے کہ کافر نے آپؓ کے منہ پر تھوک دیا۔ اِس پر حضرت علی ؓ نے اُسے فوراً چھوڑ دیا۔ کافر نے حیران ہو کر پوچھا، آپ نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ آپؓ نے فرمایا، میری تم سے کوئی ذاتی جنگ نہیں ہے۔ میں اللہ کے لیے تمہیں مار رہا تھا۔ اب تم نے میرے منہ پر تھوکا ہے تو اس سے میرے اندر انتقامی جذبہ بھی پیدا ہو گیا۔ اب میں اگر تمہیں قتل کروں گا تو میرا یہ فعل خالصتاً اللہ کے لیے نہیں ہوگا۔ اندازہ کیجیے، جنگ کے دوران بھی جب مرد یا مارو کی کیفیت ہوتی ہے، صحابہ کرام ؓ اپنے اندر جھانکتے اور اپنی نیتوں کا جائزہ لیتے تھے۔

شوق شہادت:

انقلابی جماعت کے کارکنوں میں اپنے مشن کے لیے تن من دھن لگا دینے کا سچا جذبہ ہو۔ اسلامی پارٹی کے کارکنوں کے دل راہ حق میں شہادت کے لیے بے تاب ہوں۔ شہادت کی تمنا انہیں بے چین کیے رکھے۔ اگر اللہ کے راستے میں سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ اور شہادت کی آرزو نہیں ہے تو گویا ابھی آپ راہ انقلاب پر نہیں آئے، خواہ آپ یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ میں بڑا انقلابی کارکن ہوں۔ قرآن عزیز میں فرمایا:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ڮ﴾ (الاحزاب:23)

''مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انہوں نے اللہ سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔ تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں۔''

نظم کی پابندی:

انقلابی جماعت کے لوازم میں سے ایک نظم کی پابندی ہے۔ انقلابی کارکن نظم میں یوں پروئے گئے ہوں گویا "بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ" ہے، یعنی سیسہ پلائی ہوئی دیوار—— جب تک یہ کیفیت نہ ہو تنظیم وجود میں نہیں آ سکتی۔ اس کے لیے بنیاد کیا ہے؟ سمع و طاعت! سنو اور اطاعت کرو: "وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا" (Listen and obey)۔ انقلابی کارکن سمع و طاعت کے خوگر ہوں۔ ایک امیر کی اطاعت کے لیے کٹ مرنے کو تیار ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ انقلابی جماعت میں سمع و طاعت کا معاملہ کس نوعیت کا تھا! اس کے لیے دو واقعات کافی ہیں۔ پورے مکی دور میں تمام صحابہ کرام ؓ کے لیے حکم یہ رہا ہے کہ چاہے مشرکین تمہیں کتنا ہی ماریں، کتنی ہی ایذائیں دیں، حتیٰ کہ تمہیں ہلاک کر دیں لیکن تم ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہیں تھی—— اور تاریخ میں اس کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے کہ کسی نے حضور ﷺ کے اس حکم کی خلاف ورزی کی ہو۔ یاد رہے کہ قرآن مجید میں ایسا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ جو بدنصیب لوگ سنت کی اہمیت کے قائل نہیں ہیں، ان کے لیے یہ بات خاص طور پر غور کرنے کی ہے کہ مکی دور میں صحابہ کرام ؓ کس حکم پر اس شدت اور سختی سے عمل پیرا تھے؟ قرآن حکیم میں تو کہیں جا کر 5ھ یا 6ھ میں سورۃ النساء میں یہ الفاظ آئے ہیں:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ ......﴾

''(اے نبیؐ) کیا آپؐ نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا جن کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو......'' لیکن پورے مکی قرآن میں یہ حکم موجود نہیں ہے۔ دراصل یہ حکم اللہ کا نہیں تھا بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کا تھا۔ یا یوں کہیے کہ اللہ نے یہ حکم حضور ﷺ کو وحی خفی کے ذریعے سے دیا۔ وحی جلی میں یہ حکم بہرحال موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں اس کی توثیق فرمائی ہے۔ اس آیت سے اس بات کی وضاحت ہو گئی ہے کہ اے مسلمانو! ایک دور وہ تھا جب حکم یہ تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو، اُس وقت تو تم کہا کرتے تھے کہ ہمیں جنگ کی اجازت ہونی چاہیے۔

اور آج جبکہ جنگ کا حکم دے دیا گیا ہے تو تم گھبرا رہے ہو! — کسی جماعت کے اس درجہ منظم ہونے اور اپنے رہنما، قائد اور لیڈر کے حکم کی پابندی کی ایسی مثال پوری انسانی تاریخ میں آپ کو نہیں ملے گی۔

مواخات باہمی:

انقلابی جماعت کا ایک اہم لازمہ یہ ہے کہ انقلابی کارکن ایک دوسرے سے رشتہ اخوت میں جڑے ہوئے ہوں۔ اشتراکی تحریک میں کامریڈ ہوتے ہیں اور کامریڈ کا رشتہ بہن بھائی کے رشتے سے بھی بڑھ کر خیال کیا جاتا ہے۔ اگر کارکنوں میں یہ عصبیت اور جذباتی لگاؤ نہ ہوگا تو انقلاب برپا نہیں ہوگا۔ اس کی خصوصی اہمیت ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں اس پر توجہ کم ہوئی ہے، حالانکہ اس پر خصوصی دھیان دینے کی ضرورت ہے۔ سورۃ الفتح میں رسول خدا ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ښ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿29﴾﴾

”محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل۔ (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکے ہوئے سربسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں۔ (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔ (وہ) گویا ایک کھیتی ہیں جس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے، تاکہ کافروں کا جی جلائے۔ جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔“

پھر یہی مضمون سورۃ المائدہ میں بایں الفاظ آیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿54﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿55﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿56﴾﴾

”اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں، اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈریں۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی کشائش والا اور جاننے والا ہے۔ تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور (اللہ کے آگے) جھکتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومنوں سے دوستی کرے گا تو (وہ اللہ کی جماعت میں داخل ہوگا اور) اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔“

محولہ بالا آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ جب تم اس معیار پر پورے اُتر جاؤ گے کہ تمہاری ولایت، تمہارا دلی تعلق اللہ سے، اس کے رسول ﷺ سے اور اہل ایمان سے ہوگا، تو پھر ہی تم وہ حزب اللہ بن سکو گے، جو اللہ کے وعدے کے مطابق غالب آکر رہے گی۔ تو یہ ہیں اسلامی انقلابی جماعت کے پانچ لوازم۔ (جاری ہے)

غلبہ و اقامتِ دین کی جدوجہد کا حُدی خواں

تنظیم اسلامی کی انقلابی دعوت کا ترجمان

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

ماہ مئی کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

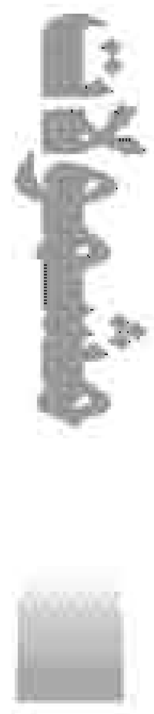

☆ یہ جانتا اگر تو لُٹاتا نہ گھر کو میں!	ایوب بیگ مرزا
☆ موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام	ڈاکٹر اسرار احمدؒ
☆ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا انقلابی فکر اور منہج	انجینئر نوید احمد
☆ ڈاکٹر اسرار احمدؒ: ایک عہد ساز شخصیت	ڈاکٹر احسن جمیل
☆ دعوت و تبلیغ، اصول اور آداب	عتیق الرحمٰن صدیقی
☆ اسلام: محنت کشوں کے حقوق کا ضامن	حافظ محمد زاہد
☆ سر سید احمد خان	حافظ محمد زبیر

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کا ”بیان القرآن“ تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے

☆ صفحات: 96 ☆ قیمت فی شمارہ: 25 روپے ☆ سالانہ زرِ تعاون (اندرون ملک) 250 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: 3-042-35869501، email:maktaba@tanzeem.org

ایک کڑوا سچ

محبوب الحق عاجز

کرکٹ ایک کھیل ہے، لیکن جس طور سے یہ ہماری قوم کے اعصاب پر سوار رہتا ہے، اس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس میں ہماری فتح یا شکست پر ہی قوم کی بقاو سلامتی کا دارومدار ہے۔ خاص طور پر جب مقابلہ روایتی حریف بھارت سے ہو، تو ہم اسے بحیثیت مجموعی زندگی موت کا مسئلہ بنالیتے ہیں۔ اس کے پس منظر میں ہندو کی مسلم دشمنی اور پاکستان سے نفرت کے جذبات کے خلاف ردعمل ہوتا ہے۔ حالیہ ورلڈ کپ کا سیمی فائنل اس اعتبار سے پوری قوم کے لیے ایک سخت آزمائش تھی۔ لوگ کرکٹ ٹیم کی فتح کے لیے دعائیں مانگتے رہے۔ وہ لوگ بھی کہ جنہیں اس کھیل سے دلچسپی نہیں، سیمی فائنل انڈیا کے ساتھ ہونے کی وجہ سے یہ میچ دیکھ رہے تھے اور چاہتے تھے کہ جیسے بھی ہو، پاکستان یہ میچ ضرور جیتے۔ لیکن جب قوم کی تمام تر خواہشات، آرزوؤں، تمناؤں اور دعاؤں کے باوجود ہماری ٹیم انڈیا سے ہار گئی تو انہیں سخت جذباتی صدمے کا سامنا کرنا پڑا۔

قومی کرکٹ ٹیم کی وطن واپسی پر جب اسی صدمے کے پس منظر میں قومی کرکٹ ٹیم کے کپتان شاہد خان آفریدی سے اُن کے تاثرات کی بابت سوال کیا گیا تو انہوں نے جو جواب دیا وہ پوری قوم کے لیے بہت بڑی دعوت فکر ہے۔ افسوس کہ ہماری قوم نے اس پر نہ تو پہلے کبھی غور کیا اور نہ شاہد آفریدی کے اس بیان کے بعد کچھ سوچنے پر آمادہ ہے۔ قومی کرکٹ ٹیم کے کپتان کا یہ جواب ایسا ہے کہ اگر ہم اِس پر غور کر کے اصلاح احوال کا اہتمام کرلیں تو ہماری بگڑی سنور سکتی ہے اور اُس ذلت و رسوائی سے ہمیں نجات مل سکتی ہے، جس سے ہم اس وقت دوچار ہیں۔ کراچی ایئرپورٹ آمد پر صحافیوں کے سوالات و جوابات کے دوران ایک صحافی نے پوچھا کہ آپ کو روایتی حریف اور دشمن بھارت سے ہارنے پر کیسا محسوس ہوا؟ یہ وہ عام سا سوال تھا، جو پوری قوم پاکستانی ٹیم سے پوچھنا چاہتی تھی، مگر اس کا جواب بوم بوم آفریدی نے شان دار طریقے سے دے کر پوری قوم کو چپ کرا دیا۔ اس کے جواب میں انہوں نے پوری قوم کو بڑی جرأت سے کہا کہ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہماری قوم بھارت کو صرف کرکٹ میں ہی دشمن کیوں مانتی ہے، جبکہ ہمارے ہاں ہر گھر میں بھارتی چینلوں کے ڈرامے، فلمیں اور پروگرام لگے ہوتے ہیں، جنہیں ہماری قوم بہت شوق اور خوشی سے دیکھتی ہے۔ شادی بیاہ کی کوئی تقریب ایسی نہیں ہوتی، جس میں بھارتی گانوں کی بھرمار نہ ہو۔ جب یہ سب کچھ ہو رہا ہے تو پھر بھارت کو صرف کھیل کے میدان میں دشمن ماننا عجیب سی بات ہے۔ حیرت ہے کہ بھارت کو صرف کرکٹ کے میچ کے لیے دشمن بنالیا جاتا ہے۔“

واقعتاً یہ حیرت کی بات ہے کہ جس ہندو سے شکست کے معاملے میں ہم اتنے حساس اور فکر مند رہتے ہیں، اُس کی ثقافت کو آنکھیں بند کر کے اور دھڑلے کے ساتھ اپنائے ہوئے ہیں۔ وہی ناچ گانے، وہی ڈانس، وہی فحاشی و عریانی، وہی فلمیں اور ڈرامے، وہی شادی بیاہ اور موت مرگ کی رسومات ہم بھی اپنائے ہوئے ہیں جو ہندوؤں کے ہاں چلی آتی ہیں —— حالانکہ ہم مسلمان ہیں اور نظریاتی اور ثقافتی حوالے سے ہم میں اور ہندوؤں میں کوئی بھی چیز مشترک نہیں ہے۔ اسی لیے تو ہم نے دو قومی نظریہ کے بنیاد پر علیحدہ اور جداگانہ وطن کا مطالبہ کیا تھا۔ اسی مقصد کے لیے آگ اور خون کے دریا عبور کیے تھے۔ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے بھی کہا تھا کہ ”اسلام اور ہندو دھرم محض مذاہب نہیں ہیں، بلکہ درحقیقت وہ دو مختلف معاشرتی نظام ہیں۔ چنانچہ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہیے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کر سکیں گے۔ یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ میں واشگاف لفظوں میں کہتا ہوں کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے واسطہ رکھتے ہیں۔ اور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں، بلکہ اکثر متصادم ہوتے رہتے ہیں۔ انسانی زندگی کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور تصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی ترقی کی تمناؤں کے لیے مختلف تاریخوں سے نسبت رکھتے ہیں۔ ان کے تاریخی وسائل اور ماخذ مختلف ہیں۔ ان کی رزمیہ نظمیں، ان کے سربرآوردہ بزرگ اور قابل فخر تاریخی کارنامے سب مختلف اور الگ الگ ہیں۔ اکثر اوقات ایک قوم کا زعیم اور رہنما دوسری قوم کی بزرگ اور برتر ہستیوں کا دشمن ثابت ہوتا ہے۔ ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔ ایسی دو قوموں کو ایک ریاست اور ایک حکومت کی ایک مشترکہ گاڑی کے دو بیل بنانے اور ان کو باہمی تعاون کے ساتھ قدم بڑھانے پر آمادہ کرنے کا نتیجہ انجام کار تباہی کا باعث ہوگا۔ خاص کر اس صورت میں کہ ان میں سے ایک قوم تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہو اور دوسری کو اکثریت حاصل ہو۔“

کرکٹ تو ایک کھیل ہے اور کھیل میں ہار جیت ہوتی رہتی ہے۔ کھیل میں ہار جیت سے قومیں بنتی اور بگڑتی نہیں، مگر جب تہذیب و ثقافت میں شکست ہوتی ہے تو قومیں بکھر جاتی ہیں، ریاستیں شکست کھا جاتی ہیں، ملک ٹوٹ جاتے ہیں۔ مقابلہ تو ہر میدان میں ہونا چاہیے اور یہ کرکٹ میں بھی ہو، مگر قوم کی فتح و شکست جس چیز پر موقوف ہے وہ نظریاتی اور تہذیبی و ثقافتی برتری ہے۔ آیئے، تہذیب و ثقافت کے میدان میں ہنود اور اس سے بھی بڑھ کر یہود و نصاریٰ کا مقابلہ کریں۔ یاد رکھیے! اگر ہم اس میدان میں دشمن کو شکست دینے کے لیے جدوجہد نہیں کرتے، اس مقصد کے لیے ہندوؤں کی رسومات، اقدار اور تہذیب کو ترک نہیں کرتے، تو سونیا گاندھی کا یہ دعویٰ دلیل اور ثبوت کے ساتھ نوشتۂ دیوار کی صورت میں موجود رہے گا کہ ہم نے پاکستان کو ثقافتی میدان میں شکست دے دی ہے۔

ایک عالم دین کی بذلہ سنجی

شاہد حفیظ

شیخ عبداللہ المطلق سعودی عرب کے بڑے علماء کی کمیٹی کے رکن ہیں۔ان کا شمار فی البدیہہ اور فوراً فتویٰ دینے کے حوالے سے مشہور ترین علماء میں ہوتا ہے۔اپنی بذلہ سنجی، ظریف اور پُر مزاح طبیعت کی وجہ سے عوام میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ براہِ راست پروگراموں میں اُن سے پوچھے گئے سوالات کے جواب سننے کے لائق ہوتے ہیں۔آپ کی تفریحِ طبع کے لیے اُن کے کچھ دلچسپ جوابات اور فتاویٰ جات پیشِ خدمت ہیں:

✿ ایک سائل نے شیخ صاحب سے سوال کیا، شیخ صاحب کیا پینگوئن کا گوشت کھانا حلال ہے؟ شیخ صاحب نے اسے جواب دیا، اگر تجھے پینگوئن کا گوشت مل جاتا ہے تو کھالینا۔

✿ ایک مرتبہ ایک لڑکی نے فون کرکے پوچھا: شیخ صاحب، میری امی بہت عمر رسیدہ ہیں اور چل پھر بھی نہیں سکتیں۔اشد ضرورت اور حوائج کے لیے فقط رینگ کر چلتی ہیں۔میرا سوال یہ ہے کہ اسلام میں میری امی کا مقام کن لوگوں میں شمار ہوتا ہے؟ شیخ صاحب نے جواب دیا، تیری امی کا مقام رینگ کر چلنے والی مخلوقات میں شمار ہوتا ہے۔

✿ سعودی چینل 1 کی براہِ راست نشریات میں ایک سائل نے شیخ صاحب کو فون کرکے پوچھا، شیخ صاحب میں نے غصے کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔اب کس طرح اُس سے رجوع کروں؟ شیخ صاحب نے جواب دیا: میرے بھائی طلاق ہمیشہ غصے کی حالت میں دی گئی ہے۔کیا کبھی تو نے ایسا سنا یا دیکھا ہے کہ کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ مزے سے بیٹھا تربوز کے بیج چھیل کر کھا رہا تھا؟

✿ ایک پروگرام کے دوران یمن سے ایک سائل نے فون کرکے پوچھا: شیخ صاحب میرے موبائل میں قرآن شریف کی بہت سی تلاوت بھری ہوئی ہے۔کیا میں موبائل کے ساتھ بیت الخلاء میں جاسکتا ہوں؟ شیخ صاحب: ہاں جاسکتے ہو، کوئی حرج نہیں۔سائل نے سوال دوبارہ دہرایا: شیخ صاحب میں موبائل میں قرآن شریف کے بھرے ہونے کی بات کررہا ہوں۔ شیخ صاحب: میرے بھائی کوئی حرج نہیں، قرآن شریف موبائل کے میموری کارڈ میں ہوگا، تم اسے ساتھ لے کر بیت الخلاء میں جاسکتے ہو۔سائل: لیکن شیخ صاحب، یہ قرآن کا معاملہ ہے۔اور بیت الخلاء میں ساتھ لے کر جانا اچھا تو ہرگز نہیں ہے نا!۔شیخ صاحب: کیا تمہیں بھی کچھ قرآن شریف یاد ہے؟ سائل: جی شیخ صاحب، مجھے کئی سورتیں زبانی یاد ہیں۔شیخ صاحب: تو پھر ٹھیک ہے، اگلی بار جب تم بیت الخلاء جاؤ تو اپنے دماغ کو باہر رکھ جانا۔

✿ ایک سائل نے فون کرکے پوچھا، شیخ صاحب، کیا غسل جنابت کے لیے ناخن بھی کاٹنے پڑیں گے؟ شیخ صاحب نے تعجب بھرے انداز میں جواب دیا: روزانہ غسل جنابت کرو تو کاٹنے کے لیے ناخن کہاں سے لاؤ گے؟

✿ ایک مرتبہ ایک سائل نے فون کرکے سوال کرنا چاہا: شیخ صاحب، میرا بوڑھا (اس کا مطلب تھا میرا باپ، اکثر بدو اپنے باپ کو 'یا شایب' اور 'یا شیبۃ' کہہ کر بھی مخاطب کرلیتے ہیں جس کا مطلب اے بزرگ یا اے بوڑھے بنتا ہے)۔شیخ صاحب نے سائل کی بات کاٹتے ہوئے کہا، دیکھو بوڑھا نہ کہو، میرا والد یا کچھ اور کہہ کر مجھے اپنا سوال بتاؤ۔تھوڑی سی خاموشی کے بعد سائل نے پھر بولنا شروع کیا، شیخ صاحب میرا بوڑھا۔شیخ صاحب نے سائل کی بات پھر کاٹتے ہوئے کہا، تیری بھنویں بوڑھی ہوجائیں، میں نے تجھے کہا ہے کہ بوڑھا کہہ کر مت پکار۔

✿ ایک عورت نے فون کرکے اپنے مسئلے کا حل پوچھا، شیخ صاحب نے جواب دے دیا تو عورت نے شیخ صاحب سے کہا: شیخ صاحب میرے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ میرے نصیب میں شیخ محمد العریفی سے شادی لکھ دے۔شیخ صاحب نے سائلہ سے پوچھا، تو شیخ محمد العریفی سے شادی اُس کی خوبصورتی کی وجہ سے کرنا چاہتی ہے یا اُس کے علم کی وجہ سے؟ سائلہ نے جواب دیا، شیخ صاحب، میں اُس سے شادی اُس کے علم کی وجہ سے کرنا چاہتی ہوں۔شیخ صاحب نے جواب دیا، تو پھر شیخ صالح السدلان اُس سے زیادہ بڑا عالم ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تیری شادی شیخ صالح السدلان سے کرادے۔(واضح رہے کہ شیخ محمد العریفی ایک نوجوان اور نہایت ہی خوش شکل عالم دین ہیں جبکہ شیخ صالح السدلان صاحب نہایت ہی ضعیف العمر عالم دین ہیں)۔شیخ صاحب کی بات سن کر پروگرام کا کمپیئر اس قدر زور سے کھلکھلا کر ہنسا کہ کافی دیر تک اپنے آپ پر قابو بھی نہ پاسکا۔

✿ ایک سائل نے ٹیلی فون کرکے پوچھا: شیخ صاحب، میری بیوی انتہائی موٹی اور بھدی ہے، میں اُس کا کیا کروں؟ شیخ صاحب نے اُسے مختصر سا جواب دیا، میرے بھائی، تیرے اوپر اور میرے اوپر اللہ تعالیٰ کی ایک جیسی رحمت ہے۔

ضرورت رشتہ

☆ پشاور میں مقیم فیملی کو اپنی تین بیٹیوں، عمریں 21 سال، 23 سال اور 26 سال، تعلیم بالترتیب ایم اے (آئی آر)، ایم اے عربی واسلامیات، ایم اے (آئی آر) کے لیے دینی مزاج کے حامل برسرروزگار لڑکوں کے رشتے درکار ہیں۔برائے رابطہ: 0321-9002296

☆ راجپوت فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 30 سال، تعلیم ڈبل ایم ایس سی، برسرروزگار کے لیے شریف، دین دار فیملی سے تعلیم یافتہ ترجیحاً ڈاکٹر لڑکی کا رشتہ مطلوب ہے۔

برائے رابطہ: 0322-6553936

دعائے مغفرت کی اپیل

- تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی کے رفیق جناب سراج احمد کے والد وفات پاگئے
- منفرد اسرہ ساہیوال کے رفیق محمد رفیق ساجد وفات پاگئے
- تنظیم اسلامی فیصل آباد شمالی کے ناظم بیت المال کے بہنوئی وفات پاگئے

اللہ تعالیٰ مرحومین اور مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اللّٰھم اغفرلھم وارحمھم وادخلھم فی رحمتك و حاسبھم حسابًا یسیرًا

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے

پروفیسر محمد یعقوب شاہق

اگر پاکستان کے جملہ فوجی آمروں کے ادوار کا جائزہ لیا جائے تو جنرل پرویز مشرف کا دورِ حکومت اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس سیاہ دَور میں ملک کی نظریاتی شناخت چھین کر اسے سمتِ سفر اور نصب العین سے محروم کر دیا گیا۔ ایک عظیم مِلت کے بارے میں بین الاقوامی سطح پر یہ تاثر قائم ہوا کہ وہ ڈالروں کے عوض اپنی حمیت و غیرت اور ملی عزت اور وقار کو قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتی اور اسی طرزِ عمل کے تناظر میں ایک امریکی سینیٹر نے ''ایوان نمائندگان'' کے فلور پر یہ الفاظ کہے کہ ''پاکستانی ڈالروں کے عوض اپنی ماں کو بھی فروخت کر دیتے ہیں''۔ لیکن اس سب دشنم اور دُشنام کے باوجود امریکی غلامی کا تسلسل اس کیفیت کے ساتھ جاری رہا کہ بقولِ غالب......

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہُوا

پاکستان کے حالیہ مسائل مثلاً خودکش حملے، بدامنی، معاشی بدحالی اور بے چہرہ پالیسیوں کا تعلق بڑی حد تک افغانستان پر غیر ملکی تسلط سے جڑا ہوا ہے۔ پرویز مشرف نے اپنے اقتدار کی طوالت کے لیے امریکہ کے ہر ناجائز مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے ملک کے اکثر ہوائی اڈے امریکہ کے حوالے کر دیئے۔ اب یہ بات وضاحت کے ساتھ سامنے آ چکی ہے کہ امریکہ کے جنگی جہازوں نے ان ہوائی اڈوں سے 87600 مرتبہ پروازیں کر کے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ جنرل صاحب نے نہ صرف اپنے کلمہ گو بھائیوں کے خلاف لڑنے کے لیے امریکہ کو اپنے کندھے پیش کر دیئے بلکہ خود اپنے ملک کو خوں ریزی اور بدامنی کے جہنم میں دھکیل دیا۔ اسی مسئلہ کی کوکھ سے پھر نئے نئے مسائل جنم لیتے گئے اور وقت گزرنے کے ساتھ بگاڑ میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ حکومت نے کبھی اس کی ضرورت محسوس نہ کی کہ وہ ٹھنڈے دل سے اس پالیسی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اثرات کا جائزہ لے۔ ''لال مسجد'' اور ''جامعہ حفصہ'' پر فوجی آپریشن سے ملک کے طول وعرض میں شدید ردِعمل ہوا۔ فاٹا کے علاقے آتش زیر پا ہو گئے۔ خودکش حملوں نے فوجی جرنیلوں سے لے کر عام فوجی جوانوں اور سینکڑوں دیگر افراد کی جان لے لی لیکن حکمران طبقہ ان سب حالات سے بے نیاز امریکی اطاعت کے راستہ پر چلتا رہا اور ملکی مفادات کے حوالے سے ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کی پالیسی پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

18 فروری 2008ء کے انتخابات میں عوام نے پرویزی حکومت کی پالیسیوں کو مسترد کر دیا لیکن ''این آر او'' زدہ حکومت نے مشرف کے دورِ آمریت سے بڑھ کر اسی پالیسی کو اپنے گلے کا ہار بنالیا اور قوم کی اجتماعی امنگوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر ڈالروں کے عوض قومی غیرت و حمیت کا سودا کرنے ہی کو ترجیح دی۔ لانگ مارچ کے بغیر عدلیہ بحال نہ ہوسکی۔ اب تک موجودہ حکومت کی ساری پالیسیاں حسب سابق قومی نصب العین سے محروم رہیں۔ زرداری صاحب اور ان کے چند دوست ملک کو اس طرح چلا رہے ہیں جس طرح کسی تجارتی ادارہ کو چلایا جاتا ہے اور شراکت دار بھی ایسے جو ادارہ کی مضبوطی کے بجائے ذاتی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ یہ حضرات گزرتے ہوئے وقت کے تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں لیکن حالات کا دھارا خود اپنا راستہ متعین کرے گا اور اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ بقول شاعر

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

فی الوقت امریکہ کے غاصبانہ تسلط کے خلاف افغانستان میں جو تحریک مزاحمت برپا ہے اس کے ساتھ ساری امت مسلمہ کی ہمدردیاں ہیں۔ اگرچہ حکمران طبقات امریکہ کے ساتھ ہیں لیکن پوری امت مسلمہ کے عوام کی قلبی وابستگی انہی بے سروسامان مجاہدین کے ساتھ ہے جن کے پاس اعلیٰ درجہ کی ٹیکنالوجی نہیں۔ جن کے پاس نہ ہوائی فوج ہے' نہ ڈیزی کٹر بم ہیں' نہ خلائی کیمرے ہیں' نہ طاقتور ٹینک، البتہ ان کے پاس ایک ہتھیار کی فراوانی ہے اور وہ ہے جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت جس کے بل بوتے پر وہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر حملہ آور طاقت سے ٹکرا کر اسے یاد دلاتے رہتے ہیں کہ تمہارا پالا ایک ایسی غیرت مند قوم سے پڑا ہے۔ جس نے اپنی تاریخ کے کسی مرحلہ میں کبھی غیر ملکی تسلط کو قبول نہیں کیا اور نہ وہ اللہ کے سوا کسی اور طاقت کی غلامی پر رضامند ہو سکتے ہیں۔ اس جہادِ آزادی کی زمامِ کار ''تحریکِ طالبان افغانستان'' کے ہاتھ میں ہے اور افغانستان کی جملہ دینی قوتیں اس کے ساتھ ہیں۔ اب اس جہاد کو امریکہ ''دہشت گردی'' سے تعبیر کرتا ہے لیکن یہ بات اس کے بس میں نہیں کہ وہ ساری دنیا کو بیوقوف بناتا رہے۔ سب جانتے ہیں کہ ''نائن الیون'' کے خود ساختہ ڈرامہ میں افغانستان اور پاکستان کا ایک آدمی بھی ملوث نہیں تھا لیکن امریکہ نے اندھی طاقت کے بل بوتے پر پانچ سے چھ لاکھ افغانوں کو بھون کر رکھ دیا اور اب ''کرزئی'' کی صورت میں ایک ''شو بوائے'' بٹھا کر حکومت کر رہا ہے اور بزعم خویش یہ سمجھتا ہے کہ وہ افغانستان پر فوجی طاقت سے اپنا قبضہ برقرار رکھ سکے گا تو ''ایں خیال است و محال است و جنوں'' کے مصداق ناممکن ہے۔ افغانوں کی نفسیات یہ ہے کہ وہ غلامی کے بجائے موت کو گلے لگا لینا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ امریکہ بغیر کسی ٹھوس وجہ کے سات سمندر پار سے آ کر افغانستان پر اس لئے قبضہ برقرار رکھنا چاہتا ہے کہ وہ وسط ایشیا کے معدنی وسائل پر قبضہ کر کے اپنے عالمی ایجنڈے کی تکمیل کر سکے۔

بدقسمتی سے پاکستان میں ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو شعائر اسلامی سے بدکتا ہے۔ وہ اہل مغرب کے طرزِ فکر سے متاثر ہے اور مذہب کو خالصتاً اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک تعلق کے حوالے سے دیکھتا ہے۔ رہے زندگی کے سماجی، معاشی اور سیاسی معاملات تو ان دائروں میں وہ خدا کو یہ حق دینے کے لیے تیار نہیں کہ اس کا حکم نافذ العمل ہو۔ مثال کے طور پر سود خوری کو قرآن پاک میں صراحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اعلان جنگ قرار دیا گیا ہے لیکن پاکستان میں قرار دادِ مقاصد کے آئین کا حصہ بن جانے کے باوجود علی الاعلان سودی نظام قائم ہے۔ جنرل ضیاء الحق کے زمانہ حکومت میں زکوٰۃ کا نفاذ ہوا تو سود کے حوالے سے ایک ترمیم کے مطابق نفع، نقصان کی بنیاد پر اکاؤنٹس کھولے گئے، لیکن درحقیقت اس نظام میں سود کا نام بدل کر منافع رکھ دیا گیا اور کوئی جوہری

(باقی: صفحہ 16 پر)

بھول نہ جانا میرے بچو!

بوڑھے ماں باپ کے حقوق کوئی قسمت والا ہی ادا کر سکتا ہے۔ اکثر اوقات اولاد اپنی غفلت اور نادانی سے اس سعادت سے محروم رہ جاتی ہے، اسی غفلت سے بچنے کی طرف توجہ دلانے کے لیے یہ نظم لکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو والدین کے حقوق اور اپنے فرائض سمجھنے کی توفیق دے۔ (آمین)

قرۃ العین

میرے بچو گر تم مجھ کو، بڑھاپے کے حال میں دیکھو
اُکھڑی اُکھڑی چال میں دیکھو
مشکل ماہ و سال میں دیکھو
صبر کا دامن تھامے رکھنا
کڑوا ہے پر گھونٹ یہ چکھنا
''اُف'' نہ کہنا، غصے کا اظہار نہ کرنا
میرے دل پر وار نہ کرنا

★★★

ہاتھ مرے گر کمزوری سے کانپ اُٹھیں
اور کھانا مجھ پر گر جائے تو
مجھ کو نفرت سے مت تکنا، لہجے کو بیزار نہ کرنا
بھول نہ جانا ان ہاتھوں سے، تم نے کھانا کھانا سیکھا
جب تم کھانا میرے کپڑوں اور ہاتھوں پر مل دیتے تھے
اور میں تمہارا بوسہ لے کر ہنس دیتی تھی
کپڑوں کی تبدیلی میں گر دیر لگا دوں یا تھک جاؤں
مجھ کو سست اور کاہل کہہ کر...... اور مجھے بیمار نہ کرنا
بھول نہ جانا، کتنے شوق سے تم کو رنگ برنگے کپڑے پہناتی تھی
اک اک دن میں دس دس بار بدلواتی تھی
میرے یہ کمزور قدم گر جلدی جلدی اُٹھ نہ پائیں
میرا ہاتھ پکڑ لینا تم، تیز اپنی رفتار نہ کرنا
بھول نہ جانا، میری انگلی تھام کے تم نے پاؤں پاؤں چلنا سیکھا
میری بانہوں کے حلقے میں گرنا اور سنبھلنا سیکھا

★★★

جب میں باتیں کرتے کرتے، رک جاؤں، خود کو دھراؤں
ٹوٹا ربط پکڑ نہ پاؤں، یادِ ماضی میں کھو جاؤں
آسانی سے سمجھ نہ پاؤں، مجھ کو نرمی سے سمجھانا
مجھ سے مت بے کار اُلجھنا، مجھے سمجھنا
اکتا کر، گھبرا کر مجھ کو ڈانٹ نہ دینا
دل کے کانچ کو پتھر مار کے کرچی کرچی بانٹ نہ دینا
بھول نہ جانا، جب تم ننھے منے سے تھے
ایک کہانی سو سو بار سنا کرتے تھے
اور میں کتنی چاہت سے ہر بار سنایا کرتی تھی
جو کچھ دھرانے کو کہتے، میں دھرایا کرتی تھی

★★★

اگر نہانے میں مجھ سے سستی ہو جائے
مجھ کو شرمندہ مت کرنا، یہ نہ کہنا آپ سے کتنی بو آتی ہے
بھول نہ جانا، جب تم ننھے منے سے تھے اور نہانے سے چڑتے تھے
تم کو نہلانے کی خاطر
چڑیا گھر لے جانے کا میں تم سے وعدہ کرتی تھی
کیسے کیسے حیلوں سے تم کو آمادہ کرتی تھی

★★★

گر میں جلدی سمجھ نہ پاؤں، وقت سے کچھ پیچھے رہ جاؤں
مجھ پر حیرت سے مت ہنسنا، اور کوئی فقرہ نہ کسنا
مجھ کو کچھ مہلت دے دینا، شائد میں کچھ سیکھ سکوں
بھول نہ جانا
میں نے برسوں محنت کر کے تم کو کیا کیا سکھلایا تھا
کھانا پینا، چلنا پھرنا، ملنا جلنا، لکھنا پڑھنا
اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے اس دنیا کی، آگے بڑھنا

★★★

میری کھانسی سُن کر گر تم سوتے سوتے جاگ اُٹھو تو
مجھ کو تم جھڑکی نہ دینا
یہ نہ کہنا، جانے دن بھر کیا کیا کھاتی رہتی ہیں
اور راتوں کو کھوں کھوں کر کے شور مچاتی رہتی ہیں
بھول نہ جانا، میں نے کتنی لمبی راتیں
تم کو اپنی گود میں لے کر ٹہل ٹہل کر کاٹی ہیں

★★★

گر میں کھانا نہ کھاؤں تو تم مجھ کو مجبور نہ کرنا
جس شے کو جی چاہے میرا اس کو مجھ سے دور نہ کرنا
پرہیزوں کی آڑ میں ہر پل میرا دل رنجور نہ کرنا
کس کا فرض ہے مجھ کو رکھنا
اس بارے میں اک دوجے سے بحث نہ کرنا
آپس میں بے کار نہ لڑنا
جس کو کچھ مجبوری ہو، اس بھائی پہ الزام نہ دھرنا

★★★

گر میں اک دن کہہ دوں عرشی، اب جینے کی چاہ نہیں ہے
یونہی بوجھ بنی بیٹھی ہوں، کوئی بھی ہمراہ نہیں ہے
تم مجھ پر ناراض نہ ہونا
جیون کا یہ راز سمجھنا
برسوں جیتے جیتے آخر ایسے دن بھی آ جاتے ہیں
جب جیون کی روح تو رخصت ہو جاتی ہے
سانس کی ڈوری رہ جاتی ہے

★★★

شائد کل تم جان سکو گے، اس ماں کو پہچان سکو گے
گرچہ جیون کی اس دوڑ میں، میں نے سب کچھ ہار دیا ہے
لیکن میرے دامن میں جو کچھ تھا تم پر وار دیا ہے
تم کو سچا پیار دیا ہے
جب میں مر جاؤں تو مجھ کو
میرے پیارے رب کی جانب چپکے سے سرکا دینا
اور دعا کی خاطر، ہاتھ اُٹھا دینا

★★★

میرے پیارے رب سے کہنا، رحم ہماری ماں پر کر دے
جیسے اس نے بچپن میں ہم کمزوروں پر رحم کیا تھا
بھول نہ جانا، میرے بچو!
جب تک مجھ میں جان تھی باقی
خون رگوں میں دوڑ رہا تھا
دل سینے میں دھڑک رہا تھا
خیر تمہاری مانگی میں نے
میرا ہر اک سانس دعا تھا......
بھول نہ جانا، میرے بچو!

خصوصی رپورٹ

امیر تنظیم اسلامی کا حلقہ سرگودھا کا تنظیمی دورہ

رپورٹ: پروفیسر خلیل الرحمٰن

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ 2 اپریل 2011ء کو حلقہ سرگودھا کے سالانہ تنظیمی دورہ پر صبح ساڑھے آٹھ بجے مرکز تنظیم اسلامی مسجد جامع القرآن پہنچے۔ ٹوبہ سے راقم الحروف امیر محترم کی سرگودھا آمد سے پہلے ہی مسجد جامع القرآن پہنچ گیا اور امیر محترم کی تشریف آوری پر اُن کے استقبال کا شرف حاصل کیا۔ امیر محترم نے ناشتہ کیا۔ پروگرام کے مطابق صبح 9 بجے تا ایک بجے سرگودھا کے مختلف مکاتب فکر کے علماء سے امیر محترم کی ملاقات ان کے اداروں میں طے تھی۔ اس دوران مسجد جامع القرآن میں حلقہ کے رفقاء کا تربیتی پروگرام تھا، جس میں درج ذیل موضوعات پر مذاکرہ ہونا تھا:

(i) ہمارے دینی فرائض (ii) منہج انقلاب نبوی ﷺ

(iii) اسلام میں اجتماعیت کی اہمیت وضرورت اور اس کے تقاضے

امیر محترم کی درج ذیل علماء کرام سے ملاقات ہوئی۔

1۔ مولانا محمد اکرم طوفانی (دیوبند مکتبہ فکر۔ ختم نبوت) 2۔ مولانا ضیاء الحق بندیالوی (جمعیت اشاعۃ التوحید والسنہ)

3۔ مولانا محی الدین سلفی (خطیب مرکزی مسجد اہل حدیث) 4۔ مولانا احمد سعید ہاشمی (خطیب بریلوی مسجد)

چونکہ امیر حلقہ ڈاکٹر رفیع الدین ایبٹ آباد کے سفر سے صبح ہی سرگودھا پہنچے تھے، لہٰذا وہ علماء کرام سے ملاقات میں امیر محترم کے ساتھ نہیں تھے۔ البتہ رفقاء تنظیم میں عبدالسمیع (نقیب اسرہ)، ملک محمد افضل اعوان (امیر مقامی تنظیم) اور ملک خدا بخش (ملتزم رفیق) اُن کے ہمراہ تھے۔ بحیثیت مجموعی یہ ملاقات بہت مفید رہی۔ امیر محترم کا ہر جگہ بڑے پرتپاک انداز میں استقبال اور پُر تکلف میزبانی کی گئی۔ امیر محترم نے اپنی گفتگو میں علماء کے اتحاد کی ضرورت واہمیت پر زور دیا۔ انہوں نے علماء کے اتحاد کے ضمن میں ماضی میں نفاذ اسلام کے سلسلے میں 22 نکات پر مختلف مکاتب فکر علماء کے اتفاق کا تذکرہ کیا، اور حال ہی میں تحفظ ناموس رسالت کے حوالے سے علماء نے جس طور سے اتحاد کا بہترین مظاہرہ کیا اُس کا بھی حوالہ دیا۔ انہوں نے آئندہ بھی نفاذ شریعت کے مشترکہ مطالبے کی بنیاد پر علما کے اتحاد کی ضرورت پر زور دیا، جس سے علماء نے اتفاق کیا۔ ملاقات میں علماء کرام نے ندائے خلافت کے معیار کو سراہا اور اپنے خطابات کے ضمن میں اس کے مضامین سے استفادہ کا تذکرہ کیا۔ یاد رہے کہ حلقہ سرگودھا کی طرف سے علماء کرام کو ندائے خلافت باقاعدگی سے پہنچایا جاتا ہے۔ ان علماء سے ملک خدا بخش کے ماضی سے ہی اچھے مراسم ہیں۔ توقع ہے کہ تنظیم اسلامی کے دعوتی پروگراموں کے حوالے سے ان ملاقاتوں کے بہت اچھے نتائج نکلیں گے۔ ان شاءاللہ

شام کے پروگراموں میں امیر حلقہ رفیع الدین بھی امیر محترم کے ساتھ رہے۔

سہ پہر 4 بجے تا نماز مغرب رفقاء کے ساتھ امیر محترم کی نشست تھی۔ اس دوران نماز عصر ادا کی گئی، اور سوال و جواب کے ذریعے رفقاء نے اپنے اشکالات رفع کیے۔ نماز مغرب تا نماز عشاء زیر دعوت احباب اور رفقاء کے ساتھ نشست میں امیر محترم نے مختصر خطاب کیا اور احباب کے سوالات کے جوابات بھی دیئے۔

3 اپریل بروز اتوار بعد نماز فجر امیر محترم نے سورۃ التوبہ کی آیات 111 اور 112 کے حوالے سے درس دیا۔ آٹھ تا دس بجے معاونین حلقہ اور امراء تنظیم کے ساتھ نشست تھی، جس میں ذمہ داران نے اپنے مسائل کا تذکرہ کیا۔ امیر محترم نے اُن کی رہنمائی کی۔ باقاعدہ پروگرام کے وقفوں میں بعض احباب نے امیر محترم سے انفرادی ملاقات بھی کی اور سوالات کے ذریعے بعض باتوں کی وضاحت حاصل کی۔ تقریباً 10 بجے امیر محترم لاہور روانہ ہوگئے۔ امیر محترم کی روانگی کے بعد مسجد جامع القرآن میں حلقہ سرگودھا کی سہ ماہی مشاورت کے سلسلہ میں امیر حلقہ کے ساتھ معاونین حلقہ اور مقامی تناظیم کے امراء کی نشست ہوئی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دین وایمان کے تقاضوں کا صحیح شعور عطا فرمائے اور ان کی ادائیگی کی توفیق دے۔ (آمین)

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی فیروز والا رشاہدرہ کی میزبانی میں حلقہ لاہور کے رفقاء کا ایک روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام

23 مارچ کا دن مسلمانان پاکستان یوم پاکستان کے طور پر مناتے ہیں۔ یہی وہ دن تھا جب لاہور کی سرزمین پر محمد علی جناح کی قیادت میں 1940ء کو مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کی قرارداد منظور کی گئی، جسے قرارداد لاہور کا نام دیا گیا۔ ہندو پریس نے اسے قرارداد پاکستان کا نام دیا۔ اور یوں چودھری رحمت علی کا مجوزہ نئی مملکت کے لئے تجویز کردہ نام ''پاکستان'' ہندوستان کے طول وعرض میں گونجنے لگا۔ اس تاریخی قرارداد کی منظوری کے صرف سات سال بعد دنیا کے نقشے پر سب سے بڑی مسلم ریاست وجود میں آگئی۔ دو قومی نظریے کی بنیاد پر قائم ہونے والا یہ دنیا کا واحد ملک ہے جس کے قیام کی وجہ اسلامی نظام کا نفاذ قرار پایا۔ مگر 65 سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود اسلامی قوانین اور شرعی حدود کا نفاذ ''ہنوز دلی دوراست'' کا معاملہ ہے۔

وطن عزیز کو حقیقی معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے لئے تنظیم اسلامی ایک واضح، غیر مبہم اور مستقل پالیسی اور طریقہ کار کی روشنی میں سرگرم عمل ہے۔ تنظیم اپنے رفقاء کی تربیتی و دعوتی ضروریات کے لئے ہمہ جہت پروگرام ترتیب دے رہی ہے۔ جن میں سے ایک ایک روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام قابل ذکر ہے۔ حلقہ لاہور کی تنظیموں کے رفقاء کے قافلہ کی آمد تقریباً 8 بجے صبح مسجد نور الہدیٰ فیروز والا میں ہوئی۔ جناب قرۃ العین حیدر کی قیادت میں مہمان رفقاء کو مقامی تنظیم کے امیر ڈاکٹر عابد بٹ، ناظم بیت المال اشفاق احمد، مولانا افتخار احمد اور راقم نے خوش آمدید کہا۔ پروگرام کے روح رواں جناب قرۃ العین نے جملہ پروگراموں کی تفصیل سے رفقاء کو آگاہ کیا، تاکہ دین کے لئے وقف کیے گئے وقت کو زیادہ سے زیادہ بامقصد بنایا جا سکے۔ ایک روزہ قافلہ کی آمد سے قبل مقامی سطح پر لاہور کے عالم دین جناب حمید حسین سے قبل ازیں مسجد میں پروگرام طے ہو چکا تھا۔ چنانچہ مشورہ کے بعد ''دو طاغوت کی پہچان'' کے موضوع پر مولانا نے عالمانہ انداز اور دلنشین پیرایہ بیان میں گفتگو کی۔ گفتگو کے بعد رفقاء نے سوالات بھی کئے۔ بعد ازاں قرۃ العین نے فرائض دینی کا جامع تصور کے موضوع پر باہمی مذاکرے کا اہتمام کیا۔ رفقاء واحباب نے اپنی اپنی وسعت علمی کے مطابق موضوع کو واضح کیا۔ نماز ظہر ظہرانہ اور مختصر آرام کے لئے ایک تا 4 بجے تک وقفہ کیا گیا۔ نماز عصر تک فکر آخرت کے حوالے سے محترم قیصر جمال فیاضی نے قرآن وحدیث

اور سیرت رسولؐ کی روشنی میں مدلل اور پُر تاثیر گفتگو کی۔ انہوں نے واضح کیا کہ بندۂ مومن کے لئے دنیا کی زندگی ہی آخرت کو سنوارنے کا بہترین میدان ہے۔ اس دنیا کی زندگی کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں با مقصد بنا کر نہ صرف آخرت بلکہ دنیا میں بھی فلاح و کامرانی حاصل کی جاسکتی ہے۔ نماز عصر سے مغرب کے دوران رفقاء نے تین جماعتوں کی شکل میں مسجد نورالہدیٰ کے گردونواح میں مسجد میں ہونے والے جلسہ کی احباب کو دعوت دی۔ فیروز والا بازار کے چوک میں شامیانہ لگا کر دعوتی و تعارفی مقاصد کے لئے سٹال لگایا گیا۔ سٹال پر مفت لٹریچر کی تقسیم کے ساتھ ساتھ لاؤڈ سپیکر پر بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کا خطاب بھی نشر کیا جاتا رہا۔

پروگرام کا آخری حصہ جلسہ عام تھا، جس کا آغاز جناب حافظ محسن محمود کی تلاوت قرآن سے ہوا۔ نعت رسول ﷺ کی سعادت مقامی رفیق مولانا افتخار احمد نے حاصل کی۔ تنظیم اسلامی کے مرکزی رہنما ڈاکٹر غلام مرتضیٰ نے ''پاکستان میں اسلامی انقلاب کیا، کیوں اور کیسے؟'' کے موضوع پر تفصیلی، مدلل اور مؤثر خطاب کیا۔ انہوں نے 23 مارچ کی تاریخی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ انگریز اور ہندو کے مشترکہ گٹھ جوڑ کے باوجود پاکستان کا قیام نصرت خداوندی کا خصوصی مظہر ہے۔ قیام پاکستان کے صرف ایک سال بعد آئین ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد پاس کر کے ریاستی و آئینی سطح پر قرآن و سنت کی بالادستی کو تسلیم کر لیا مگر ہماری بدقسمتی ہے کہ اس اسلامی اصول کو آج تک روبہ عمل نہیں لایا گیا۔ سیکولر اور دین بے زار حلقہ نفاذ اسلام سے انحراف اور گریز کے لئے دینی گروہوں کے باہمی اختلافات کو ایک بہانہ کے طور پر استعمال کرتا تھا اور آج بھی ایسا کر رہا ہے۔ مگر ملک بھر کے تمام مکاتب فکر کے جید اور نمائندہ علماء اور ملک کی نمائندہ اور قابل ذکر دینی جماعتوں نے 22 نکات کی حامل مشترکہ و متفقہ دستاویز مرتب کر کے دین دشمن عناصر کے غبارے سے ہوا نکال دی۔ انہوں نے کہا کہ قومی سطح پر ہماری سیاسی قیادت نے دین سے غداری کا رویہ اپنائے رکھا۔ یوں 71 میں ملک دولخت ہوگیا۔ مگر اس المناک سانحہ سے بھی ہم نے عبرت حاصل کی، نہ کوئی سبق سیکھا بلکہ آج ہم دہشت گردی کی جنگ کے نام پر باقی ماندہ ملک کو تار تار کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کا بچاؤ، استحکام اور ترقی اسلامی نظام کے نفاذ و قیام سے وابستہ ہے۔ اسلام نظام عدل ہے، جو ہمارے تمام مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ آخر میں راقم نے ایک روزہ پروگرام میں شریک رفقاء واحباب کا مقامی امیر اور رفقاء کی جانب سے خصوصی شکریہ ادا کیا اور توقع ظاہر کی حلقہ لاہور کی قیادت اس طرح کے مفید پروگرام ترتیب دیتی رہے گی۔ حلقہ لاہور کے امیر جناب محمد جہانگیر نے تقریباً پورا دن رفقاء کے ساتھ گزارا اور شرکاء پروگرام کی حوصلہ افزائی جاری رکھی۔ راقم نے اپنے مختصر خطاب میں کہا کہ ملک میں دین کی سربلندی کی خواہش رکھنے والے ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے کہ وہ خود دین پر عمل کرتے ہوئے پورے خلوص اور جذبے سے دین کی دعوت کے تقاضوں کو پورا کرے۔ تنظیم اسلامی اپنے دینی فکر، نبوی منہاج اور فرقہ وارانہ تصور سے آزاد رہ کر دینی تحریکوں اور جماعتوں میں منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ تنظیم کے انقلابی پیغام کی دعوت میں ہمیں مزید تیزی لانا ہوگی اور بالادست استحصالی طبقات کی اسلام دشمنی کو واضح کرنا ہوگا۔ عوام الناس طویل عرصے سے حکمرانوں کی نااہلی، دین مخالف اور عوام دشمن پالیسیوں کو بھگت رہے ہیں۔ حکمران طبقات خواہ ان کا تعلق مرکز سے ہو یا صوبہ سے، اپنی غلط پالیسیوں کی وجہ سے عوام پر ہر نئی افتاد اور مصیبت نازل ہونے کے بعد لاتعداد مگر بے معنی مذمتی بیان جاری کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ حکمرانوں کے موجودہ رویے اور طرز عمل کا جائزہ لیا جائے تو آئندہ کا نقشہ کچھ اس طرح ابھرتا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے کسی زمینی عذاب یا آسمانی آفت کے نازل ہونے پر بھی خدانخواستہ صدر، وزیراعظم، وزیر داخلہ اور وزیر اطلاعات کی جانب سے بھرپور مذمتی بیان جاری ہوں گے اور اس عذاب الٰہی کا مقابلہ کرنے کا عزم ظاہر کرتے ہوئے اس کا بھرپور مقابلہ کرنے کا اعلان صادر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پوری قوم کو اس برے وقت سے بچائے، ہمارے حکمران تو غالباً اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ (رپورٹ: نعیم اختر عدنان)

بقیہ: شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے

تبدیلی رونما نہ ہوسکی۔ علیٰ ھذ القیاس ہم بحیثیت مجموعی معاشی اور سیاسی دائروں میں جھوٹ، وعدہ خلافی، بددیانتی اور بداخلاقی کو روا رکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ 2008ء کے انتخابات کے بعد بھوربن کے مقام پر زرداری اور میاں نواز شریف کے درمیان عدلیہ کی بحالی کے حوالے سے ایک تحریری معاہدہ ہوا جس کے حوالے سے قبلہ زرداری نے ایفائے عہد نہ کرنے کے جواز میں ارشاد فرمایا تھا کہ ''وعدے قرآن و حدیث'' نہیں ہوتے حالانکہ قرآن پاک میں حکم موجود ہے کہ

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۞﴾ (بنی اسرائیل)

''وعدے پورے کرو کیونکہ اس کے بارے میں باز پرس ہوگی''

امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ جو شخص سچے دل سے ہادیٔ برحق حضرت محمد ﷺ کو اپنا ہادی، رہنما اور اللہ کا رسول تسلیم کرتا ہے، اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرے چاہے وہ حکم ہماری سماجی اور معاشی زندگی سے متعلق ہو یا سیاسی زندگی کے حوالے سے ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''اے افرادِ نسلِ انسانی تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف نصیحت اور تمہارے دلوں کی بیماریوں کے لیے نسخۂ شفا آ چکا ہے۔ یہ مومنین کے لیے ہدایت اور رحمت ہے''۔ (یونس: 57) پھر فرمایا: ''کسی مومن اور مومنہ کے پاس اس بات کا کوئی اختیار نہیں رہ جاتا جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کے بارے میں فیصلہ کردے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی پر اتر آئے وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا''۔ (الاحزاب: 36) یہی وہ طبقہ ہے جو بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کی سینکڑوں تقاریر میں سے صرف ایک تقریر کے الفاظ کو سیاق وسباق سے کاٹ کر اس سے سیکولرازم کا مفہوم نکالنے کی سرتوڑ کوشش کرتا رہتا ہے حالانکہ قائد نے تکرار کے ساتھ اپنی تقریروں میں اس بات کو بیان فرمایا تھا کہ ہندو اور مسلمان برعظیم کی دو قومیں ہیں جن کے عقائد، رسوم ورواج، شادی بیاہ، حتیٰ کہ کیلنڈرز بھی جدا جدا ہیں' اس لئے وہ ہر لحاظ سے الگ قوم ہیں۔ قائداعظم نے تحریک پاکستان کو اسی بنیاد پر آگے بڑھایا کہ نئے وطن میں اسلامی اقدار پر مبنی ایک ایسی جمہوری حکومت وجود میں آئے گی جہاں ہم اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کا تجربہ کریں گے۔ گزشتہ چونسٹھ برسوں میں ہمارے ہر حکمران نے عوامی خواہشات کا خون کیا ہے اور عوام کو اپنے ہاتھ کی چھڑی اور جیب کی گھڑی سمجھ کر خوب بے وقوف بنایا۔ انتخابات کے دوران میں لوگوں کو سبز باغ دکھایا اور اقتدار میں آ کر اپنی تجوریاں بھرنے میں مصروف رہے۔ بظاہر موجودہ حالات میں کسی تبدیلی کی توقع نظر نہیں آتی لیکن تقدیر مبرم یہی نظر آتی ہے کہ موجودہ افراتفری، کمزوری اور مظلومیت کے احوال سے بالآخر امت مسلمہ سرخرو ہو کر نکلے گی۔ اقبال نے کہا تھا: ''یہ اسلام تھا جس نے آڑے وقتوں میں مسلمانوں کی قوت کو منتشر ہونے سے بچایا'' (خطبہ الٰہ آباد: 1930ء) اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے اندر جو قوت حیات رکھی ہے وہ اب بھی بہت فعال ہے اور دنیا بھر میں رونما ہونے والے واقعات سے نظر آتا ہے کہ ناامیدی، مایوسی اور گوشہ گیری کا دور ختم ہونے والا ہے...... ان شاء اللہ

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے — یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

(بشکریہ روزنامہ ''نوائے وقت'')

pretext for the rulers to exploit the toil and labour of their own masses for a pittance of real wages by ensuring depressed wages.

Totally illiterate and barely educated populace also suits the rulers because it pose no threat to their rule, and its extension over and over again even if in opposition as members belonging to treasury as well as opposition benches in the third world countries anywhere belong to just one class- call it elite, oligarchy, aristocracy or anything else as you like. That explains why in nations such as ours anywhere in the world have two distinctly different systems of education, one for the ruling rich and another for their poor subjects. Despite the various shades in both these two systems of education it is ensured that a son, grand son and great grand son of a labourer would remain a labourer no matter how intelligent he may be while a son, grand son and great grand son of a person belonging to ruling elite class would remain as influential, rich and pampered as his elite father, or mother or both, no matter how dumb he may be. A confident populace is also unacceptable to the rulers under discussion simply because a confused and threatened people are easy to be governed.

Governments in all civilized societies can not afford to remain indifferent to public opinion. They also can not take the risk of neglecting the popular sentiment because they are scared of the educated masses who know their rights and who also fulfils their duties and obligations to the state. They are forced to take the public opinion seriously unlike rulers of the Third World who hate dissent, difference of opinion, freedom of expression, speech and thought. In short, civilized societies are called civilized because their founding forefathers and successive rulers have taken great pains to guarantee inviolable and sacred legal rights to their people and also because their laws guarantee freedoms associated to all facets of social, political, financial, human rights.

However, in societies where "rule of gun or an autocrat" is the law, fear is a tool that rulers love the most because it helps them grab, retain and prolong their despotic reign of brute power- indefinitely if possible. The systematic use of fear starts with sowing the seeds of disunity, strife, discord and disharmony across the social, cultural, religious, ethnic, sectarian, lingual, tribal strata of the society. This helps rulers achieve many useful objectives including masses looking to rulers for protection thereby according them somewhat credibility, no matter even if fake, that they need badly to present a democratic face to the world.The strife also allows the leaders to acquire arbitrary powers that help them ply one group against the other and also to punish those not in their personal good book. Discord, thus, serves unscrupulous rulers anywhere extremely well because it divides people on the one hand and punish enemies, political or otherwise, on the other to rule as they like.

I have restrained myself to cite specific examples in this article not because there is any dearth of them but simply because I feel it a waste of time when tens of millions of victims of the system all around me understand the specifics better than me.

معمارِ پاکستان نے کہا

مسلمان اب زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی ذمہ داری کا احساس کرنے لگے ہیں۔تمام مسلمان جانتے ہیں کہ قرآن مجید کے احکام صرف مذہب یا اخلاق پر ہی محدود نہیں ہیں۔ جیسا کہ مسٹر گبن نے کہا کہ بحرِ اوقیانوس سے دریائے گنگا تک قرآن مجید بنیادی مجموعۂ قوانین تسلیم کیا جاتا ہے۔ نہ صرف مذہبی بلکہ شہری اور تعزیری قوانین کی بنیاد بھی یہی ہے۔اور انسانی جسم اور مال کے حقوق جو اللہ تعالیٰ نے متعین کیے ہیں، سبھی کا نفاذ اسی کے تحت ہوتا ہے۔غرضیکہ یہ مسلمان کا ایسا مجموعۂ قوانین ہے جس میں مذہبی، معاشرتی، شہری، اقتصادی، معاشی، فوجی، عدلیہ، جرائم، تعزیرات، رسوماتِ خوشی وغمی غرض روزمرہ زندگی کی ہر بات کے احکام ہیں۔جسمانی صحت سے لے کر آخرت کی بخشش تک، فرد کی انفرادی حیثیت سے مجموعی (معاشرتی) حیثیت تک، اخلاقیات سے جرائم تک، دنیاوی سزاؤں سے لے کر اُخروی سزاؤں تک سب کچھ اس میں بیان ہوا ہے۔اور ہمارے نبی اکرم ﷺ نے ہم پر یہ فرض کر دیا ہے کہ ہم خود اس پر عمل کریں اور دوسروں کو اس کی تبلیغ کریں۔یہی وجہ ہے کہ اسلام چند مذہبی عبادات اور رسومات تک محدود نہیں، بلکہ مکمل ضابطۂ حیاتِ دنیوی واُخروی ہے۔(عید پر پیغام:9 ستمبر1945ء)

Syed M. Aslam

Dynamics of mass esploitation

The expression 'mass exploitation' used in the title of this article is meant to convey the same impression as it creates in mass communication and mass awareness. In short, it is used here to portray the inhumane exploitation of masses by rulers in countries where 'rule of men or rule' or 'rule of gun' is an accepted norm- where 'rule of law' is used only as a reference.

Just as the nefarious act itself, exploitation has wide-ranging meanings. It could be defined as an act of using something in an unjust or cruel manner. It is also used to mean mistreating and abusing a person or a group of persons unfairly merely as nothing more than an object. It also mean taking something that does not legally belong to the exploiter; doing trade / business / dealing related transactions by fraud and cheating; profiteering; hording; forced labour or under-paid work; treating people according to their social status and not as human being, etc., etc. Exploitation is also known to hide its utterly ugly face behind laws, legalities, policies, diktats, notifications and orders. Remember that slavery was sanctified by law in the USA for centuries before it was finally abolished in 1960s by giving right of vote to the Blacks.

With less than one per cent of world's rich owning 80 percent of its wealth, exploitation is not only alive but is also roaring across the world, particularly the third world part of the world we live in. State backed and supported exploitation of all varieties still exists in almost all parts of the world even today.

Like all uncivilized countries and states elsewhere fear is also the most preferred tool of our rulers to govern. They want the people to be afraid of their power and they demand respect despite the fact that respect is never demanded but should be earned. This love of instilling fear on part of the rulers no matter how corrupt, lazy, luxury loving, ruthlessly cruel and power intoxicated they may be takes many forms and shapes.

Unscrupulous rulers anywhere find it convenient to keep their peoples illiterate, uneducated, hungry, unhealthy and unconfident by choice and by design systematically. This is so because they fear, and rightly so, that an educated, healthy, comparatively affluent and confident people would never accept their authority and rule and would never submit to their whims and wishes to plundering the wealth of the state so openly and flagrantly for the benefit of ruling elites.

Keeping the people hungry, uneducated, unhealthy, frightened and unconfident systematically is the extension of the most preferred tool-fear and brutal suppression of unscrupulous rulers anywhere across the world. All these types of fear are meant to achieve objectives that in turn help ensure continuation of their rule. An illiterate population suits the unscrupulous leaders under discussion simply because a people unaware of their legal rights can not effectively challenge the rulers- no matter how unscrupulous, cruel, immoral they may be legally, morally, socially or culturally. It also suits the rulers for any reason- an abundant supply of cheap labour- be it un-skilled, semi-skilled, skilled labourers and even professionals who are ready to work for unacceptably low wages for want of work. By extension, this also provides seemingly justified, but actually immorally flawed,